U'529025 P-126

Title - TAJDAAR RUQQAASA

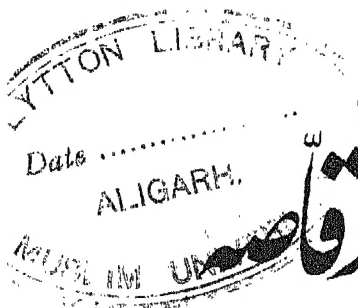
Creator - Faseeh uddin Ahmad.

Publisher - Doyal Printing works (Delhi).

Date - 1942

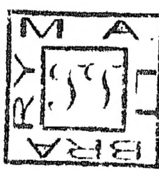
Pages - 171.

Subjects - Fanceesi Adab - Novel; Fransi Novel - Urdu Tarajum.



تاجدار رقاصہ

ایک فرانسیسی ناول کا آزاد ترجمہ



از فصیح الدین احمد، ایم، اے

قیمت دو روپے

پہلی بار | علاوہ محصول ڈاک | فروری سنہ ۱۹۴۳ء

[illegible]

۱

تاجدار رقاصہ

پہلا باب

اس مرتبہ جو لوگ قسطنطنیہ کے سرکس میں داخل ہو رہے تھے، وہ جوش سے بھرے ہوئے اور بہت بے صبر تھے۔ ہر عمر، ہر وضع، ہر قطع، کے آدمی ایک دوسرے سے دھکا پیل کرتے دروازوں میں داخل ہو رہے تھے۔ رئیس، شریف، مزدور، کاریگر بڈھے اور جوان، سب یہی چاہتے تھے کہ بیٹھنے کے لئے اچھی جگہ مل جائے۔ ہر شخص موت کے دروازے کے قریب بیٹھنا چاہتا تھا۔ جہاں سے درندوں کی لاشیں باہر نکالی جاتی تھیں۔ یہ وہ جگہ تھی جس کے مقابل ایک بڑے دروازے میں سے چار گھوڑوں والا رتھ تالیوں کی گونج اور خلقت کے نعروں کے درمیان سرکس میں داخل ہوا کرتا تھا۔

عموماً جس دن رتھوں کی دوڑ ہوتی، شہر کی تمام دوکانیں بند ہو جاتی تھیں، کتے بھی خالی سڑکوں کو دیکھ کر پریشان نظر آتے تھے۔ ہر گھر کے تمام مرد سوائے چند

مفلوج یا ضعیف بوڑھوں کے جو سرکس تک نہ پہنچ سکتے تھے، رتھوں کی دوڑ کا تماشہ دیکھنے گھروں سے بہت سویرے چلے جاتے تھے۔ البتہ چرخہ کاتنے کی آواز مسلسل آتی رہتی تھی، اس لئے کہ عورتوں کو سرکس میں داخل ہونے کی ممانعت تھی ——— یہاں تک کہ ملکہ بھی سرکس کے کھیل تماشے ایک گرجا کے بلند مینارے پر بیٹھکر دیکھتی جہاں اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

بزنطین[1] کے لوگوں کو سوائے گھوڑ دوڑ کے کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔ امیر غریب سب اس کے دلدادہ تھے، یہاں تک کہ شہر کے بدمعاش جیل خانے جانے سے اسلئے نہیں جھجکتے تھے کہ انھیں وہاں بُرا کھانا ملے گا، یا جیل خانہ کے داروغہ اُن کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئیں گے، بلکہ گھوڑ دوڑ کے منظر سے اپنی آنکھوں کو محروم رکھنا اُن کے لئے سوہانِ رُوح ہوتا تھا۔ بعض دفعہ تو یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ جیل خانے کے محافظ اور قیدی دونوں ساتھ ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سرکس کا تماشہ دیکھنے جاتے اور دوڑ ختم ہونے کے بعد جیل خانہ واپس پہنچکر پھر محافظ اور قیدی کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔

سرکس وہ جگہ تھی جہاں بزنطینی اپنی آزادی کا پورا پورا استعمال کرتے تھے،

---

[1] یہ زمانہ شہنشاہ جسٹن کا تھا جس کے بعد اس کا بھتیجا جسٹینین بزنطین (Byzantium) کے تخت پر بیٹھا۔

یہ لوگ سرکس میں رئیسوں، امیروں، اور وزیروں پر فقرے چُست کرتے، یہاں تک کہ بادشاہ کو بھی ان کی بدزبانی سے مفر نہ تھا۔ یہ لوگ بات بات پر ایک دوسرے سے دنگا بازی کرتے، رئیسوں اور امیروں کے پاؤں پہ پاؤں رکھکر کھڑے ہوجاتے، پولیس کا مقابلہ کرتے، آپس میں لڑتے، کبھی ایک دوسرے کو گلے لگاتے کبھی بلند آواز سے گانا گاتے، اور کبھی بڑے آدمیوں کا مذاق اُڑاتے تھے۔ مختصر یہ کہ جبتک سرکس میں رہتے ان لوگوں کی آزادی میں کوئی مُخل نہ ہوسکتا تھا۔

سرکس کے اداکاروں میں دو فرقے تھے۔ ایک فرقہ گلے میں نیلا رومال باندھتا تھا اور دوسرا سبز۔ بعض اوقات سگے بھائی بھی الگ الگ گروہوں میں تقسیم ہوجاتے تھے، اور اپنے اپنے گروہوں پر مٹنے کے لئے تیار رہتے تھے۔

اس طرح شہر کی آبادی دو حصّوں میں تقسیم تھی۔ ہر گروہ جہاں اپنے آدمیوں کی طرفداری کرتا، وہاں دوسرے گروہ سے دلی عداوت بھی رکھتا تھا۔ جس رنگ کا رومال اُنکے گلے میں بندھا ہوتا اُسی رنگ کے نام سے اُس گروہ یا اُس گروہ کے آدمیوں کو پکارا جاتا تھا۔

اُس زمانے میں قسطنطنیہ کے شاہی سرکس میں ایک چھوٹا سا انقلاب رونما ہوا۔ جو شخص سرکس کے درندوں کی دیکھ بھال کرنے پر مامور تھا، وہ دفعتہً کسی حادثے سے مرگیا۔ اُس کی ایک بیوی اور تین نوخیز لڑکیاں تھیں۔ خاوند کی موت کا بیوی کو

بہت قلق ہوا، اور ساتھ ہی یہ فکر بھی دامنگیر ہوئی کہ اگر اسے سرکس چھوڑنا پڑا تو کس مپرسی اور افلاس کی حالت میں شہر کے اندر مکان لے کر کیسے رہ سکے گی جس کا کرایہ ادا کرنے کو اُس کے پاس ایک پیسہ تک نہ تھا۔ اس لئے بیوہ کو اسی میں عافیت دکھائی دی کہ اپنے خاوند کے قائم مقام کی محبوبہ بن کر زندگی گزار دے۔ اس سے قبل اسنے سرکس کے منتظم کی بھی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی تھا کہ کسی طرح سرکس کی ملازمت برقرار رہے۔ لیکن اُس نے بیوہ کی آہ و زاری کی کچھ پرواہ نہ کی، اور اپنے ایک آدمی کو درندوں کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کر دیا اور بیوہ کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی نوخیز لڑکیوں کو لے کر اُن مشہور بستیوں میں چلی جائے جہاں حریص نظریں اُنکے حُسن کی بڑھتی سے بڑی قیمت ادا کرنے کو تیار رہوں گی ۔

مظلوم بیوہ کے پاس تماشائیوں سے اپیل کرنے کے سوا چارہ ہی کیا تھا؟ اتفاق سے نیلے رومال والا گروہ اُس کا حامی بن گیا، اور سبز رومال والا گروہ مخالفت پر کمربستہ ہوگیا۔ اب بیوہ کی نوکری کا سوال ایک اہم سوال تھا ۔

ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ جب سرکس آدمیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، بیوہ کی نوکری کا سوال کسی طرح لوگوں کی زبان پر آگیا۔ سبز اور نیلے رومال والے گروہ ایک دوسرے سے دست بگریبان ہونے کو تیار تھے کہ پولیس نے دونوں کو حلقے میں لیکر امن قایم کر دیا۔ حالت ایسی مخدوش ہوگئی تھی کہ بادشاہ بھی اپنی طلائی کرسی کو چھوڑ کر جانے لگا تھا۔ انجام کار فیصلہ یہ ہوا کہ اُن درندوں کی دیکھ بھال کے لئے جن کو

۵

نیلے رومال والے سرکس میں داخل کرتے تھے بیوہ کو تعینات کیا جائے۔ اس فیصلہ کو سب نے قبول کر لیا۔

دوسرا باب

پہلے باب میں جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بعد درندوں کی دیکھ بھال کرنے والی بیوہ اپنی تینوں لڑکیوں کو اچھی سے اچھی تعلیم دینے کی کوشش کرنے لگی، تاکہ وہ اطمینان اور آسائش کی زندگی بسر کر سکیں +

بڑی لڑکی جس کا نام کامتا تھا، تھئیٹر کی بہت دلدادہ تھی۔ وہ مشہور ڈرامہ نویسوں کے لمبے اقتباسات حفظ کر لیتی، اور ان کو عمدگی کے ساتھ دہرا سکتی تھی۔ کیونکہ خوش گلو اور حسین بھی تھی، اس لئے تھئیٹر میں اُس کی کامیابی کے امکانات بہت تھے۔ وہ اس قسم کے کاموں کی بہت اہل تھی، جن میں حسن فروشی کے صلے میں کامیابی عموماً لامحدود ہوا کرتی ہے +

مگر آنتا ابھی کم سن تھی، اور اُس کے لئے کوئی لائحہ زندگی تلاش کرنا قبل از وقت تھا +

تیسری لڑکی ہیلن اس قدر ہوشیار تھی کہ اُس کے مستقبل کے لئے سوچ بچار کرنا فضول تھا۔ وہ اپنی زندگی خود بنا سکتی تھی۔ جوں جوں وہ بڑی ہوتی گئی اُس کا

حُسن کلی سے پھول بنتا گیا۔ وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں میں اگرچہ قد و قامت کے لحاظ سے
چھوٹی تھی لیکن اس کی زندہ دلی، حاضر جوابی، اور اُس کی چلبلی طبیعت اُس کے
رگ و ریشہ میں اس قدر سرایت کر گئی تھی کہ جس شخص سے اُس کی آنکھیں چار
ہوتیں وہ اُس کا گرویدہ ہوئے بغیر نہ رہتا۔

نکوکاری کا تقاضہ یہ تھا کہ ماں تینوں معصوم لڑکیوں کو ایسے ماحول میں تعلیم
و تربیت نہ دیتی جو ان کے اخلاقی نشو و نما کے واسطے سم قاتل ثابت ہو۔ لیکن بیوہ
کے دل میں یہ خیال کبھی بھول کر بھی نہ آتا تھا۔ اُس کی اپنی زندگی بڑی عجیب
واقع ہوئی تھی۔ اور اُس کے ذاتی تجربے نے اُسے یہ سکھا دیا تھا کہ اگرچہ پاکدامنی
عورت کا بہترین زیور ہے لیکن ترقی کے راستے میں یہ ایسا کانٹا ہے جسے نکالے
بغیر عزت اور شہرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اُس نے کبھی ایسی باتوں پر دھیان
نہیں دیا جو اچھی ضرور تھیں مگر دنیا میں محض اچھائی سے پیٹ نہیں بھرتا۔ وہ یہ چاہتی
تھی کہ اُس کی تینوں لڑکیاں جوان ہو کر کامیاب زندگی بسر کریں، اور اگر اس
کوشش میں ان کو عفت اور عصمت کو بھی بھینٹ چڑھانا پڑے تو کوئی مضائقہ نہ
تھا!

لیکن بیوہ بہت ہوشیار ماں تھی۔ وہ خوب جانتی تھی کہ سوائے افلاس کے
کوئی ورثہ وہ اپنی لڑکیوں کے لئے نہیں چھوڑ سکتی، اس لئے وہ اپنی لڑکیوں کو اپنی
ذہنیت کے مطابق بہترین مشورے دیا کرتی تھی۔ غریب ہونا گناہ نہیں لیکن غریب

ہو کر پارسا رہنا بھی لازم نہیں۔ اس لئے بیوہ نے اپنی لڑکیوں کے دل میں یہ بات
اچھی طرح بٹھا دی تھی کہ ان کی ساری جمع پونجی ان کا حُسن ہے اور اُسی پر ان کی
ترقی کا دار و مدار ہے۔ اُس نے اُنھیں یہ بھی بتا دیا تھا کہ تجربہ کار ماں کے مشورے
کے بغیر اخلاقی حدود سے باہر قدم رکھنا بہت سی مصیبتوں کا پیش خیمہ ہو گا۔ اس کے
بعد وہ ان کی طرف سے بالکل مطمئن تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اُسکی تینوں لڑکیاں
نیکی کی آڑ میں اپنی عزّت اور ناموس کی حفاظت کریں گی۔ باقی تفریحی مشاغل سے
وہ بے پرواہ تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ ننگ و ناموس کے دقیانوسی مسائل پر لڑکیوں
سے گفتگو کرنا تضیعِ اوقات ہے، کیوں کہ ایسی صورت میں اُس کی لڑکیاں کبھی
کامیاب زندگی بسر نہ کر سکیں گی، اور وہ اپنی لڑکیوں کے لئے ایک شاندار مستقبل
کی خواہشمند تھی۔ شاندار مستقبل حاصل نہ ہونا عظیم الشان گناہ ہو گا، جو یقیناً منشاً
قدرت کے بھی خلاف تھا جس نے خوبصورت چیزوں کو دنیا میں اسی لئے پیدا
کیا ہے کہ انسان روحانی اور جسمانی دونوں طرح اُن سے پورا فائدہ حاصل
کرے۔ ایک فرسودہ نظریہ کے ماتحت خوبصورت لڑکیوں پر سخت پابندیاں
عائد کر کے اُنھیں دنیا کی مسرتوں سے روک دینا ایک عظیم الشان گناہ تھا۔ غرض
اس قسم کی باتوں سے وہ اپنی لڑکیوں کے دل سے دقیانوسی خیالات نکالنے
میں کوشاں رہتی تھی۔ مثلاً وہ ایسی محبت کا ہمیشہ مذاق اُڑایا کرتی تھی جہاں سونے
چاندی کی جھنکار سنائی نہ دے۔ وہ اپنی لڑکیوں کی شادی عیش پسند مالدار

بڈھوں کے ساتھ کرنے پر رضامند تھی، جن کی موت کے بعد اُس کی لڑکیاں شوہروں کی دولت پر قابض ہو سکیں۔

چنانچہ ہیلن چھوٹی سی عمر میں یہ سمجھ چکی تھی کہ لڑکی محبت کرنے کے لئے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ایک غریب لڑکی کو پیسے کے لئے سچی محبت قربان کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے وہ چاہتی تھی کہ اپنی اخلاقی آزادی کو مہنگے سے مہنگے نرخ پر فروخت کرے۔ وہ یہ بھی سمجھ چکی تھی کہ عفت اور عصمت کی بازی لگا کر جو عیش و آرام حاصل کیا جاتا ہے اس میں سچی مسرت نہیں ہوتی۔ لیکن زندگی کے چند رنگین لمحات لمبی اور بے کیف زندگی سے بدرجہا بہتر ہیں۔ حقیقتاً ہیلن اپنے ہم عمر لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ وہ سب کچھ سیکھ چکی تھی جو اُسے ابھی کئی سال تک نہ جاننا چاہیئے تھا۔

جب ہیلن اپنے جسم پر نظر ڈالتی تو اُسے دنیا رقص کرتی نظر آتی۔ اُس نے اپنے حرکات و سکنات میں ایک والہانہ انداز اختیار کر لیا تھا جس پر وہ نظر ڈالتی وہ اُس کا شیدائی بن جاتا تھا۔ لیکن حسن و عشق کا جو درس اُس کو دیا گیا تھا اُس میں سچائی اور راست بازی نام کو نہ تھی۔ اس لئے فریب، دغابازی ریاکاری اور خود غرضی اُس کی خصلت ثانیہ بن گئی تھیں۔ آخر کار ماں نے جب دیکھا کہ لڑکی بہت آزاد ہوتی جاتی ہے، کہیں ہمیشہ کے لئے ہاتھ سے نہ جاتی رہے تو اُس نے ہیلن کو بھی اسٹیج پر جا کر اپنے حسن و جمال کی رعنائیاں دکھانے کا مشورہ دیا۔ ہیلن، کامنتا سے بہت زیادہ حسین تھی۔ اس لئے بیوہ کو یہ خوف لاحق ہوا

ہوا کہ کہیں کامتا کی شہرت ہیلن کے آگے ماند نہ پڑ جائے۔ چنانچہ وہ ہیلن کو بہت ادنیٰ پارٹ ادا کرنے کی اجازت دیتی، لیکن اس کے باوجود ہیلن نے تماش بینوں کے دلوں کو تسخیر کر لیا۔ وہ سب اُس کو خراجِ تحسین ادا کرنے لگے اور اس طرح اُس کی شناسائی بعض سرکاری افسروں اور مالدار آدمیوں سے بھی ہو گئی۔ اب لوگ اس بات سے بھی واقف ہو گئے تھے کہ ہیلن اسٹیج پر ادنیٰ پارٹ اس لئے ادا کرتی ہے کہ وہ اپنی بڑی بہن کامتا کی ترقی کے راستے میں حائل نہیں جب کامتا اسٹیج پر کام کرتی ہوتی تو ہیلن پردوں کے پیچھے اپنے مداحوں اور ثنا خواہوں سے راز و نیاز کی باتیں کیا کرتی۔ ہیلن کی ماں یہ سب کچھ دیکھتی مگر قصداً چشم پوشی کرتی تھی۔ ہیلن کا قاعدہ تھا کہ وہ کسی شخص کی خواہش کو رد نہ کرتی تھی، بلکہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب اُسے کسی نو آموز سے واسطہ پڑتا تو وہ نہایت دلیری کے ساتھ اُس کو ہر قسم کی آزادی برتنے کی اجازت دے دیتی۔ اب تماش بینوں کا بیشتر حصہ تھیئٹر دیکھنے نہیں بلکہ ہیلن سے دل لگی کرنے جاتا تھا۔ یہ لوگ تماشے کے دوران میں اپنی نشستوں سے اُٹھکر اسٹیج کے پیچھے چلے جاتے اور ہیلن کے نوخیز حُسن کی پرستش کرتے۔ ہیلن کی آزادی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ صرف امیروں اور سرکاری ملازموں ہی پر نوازشوں کی بارش نہیں کرتی تھی، بلکہ ایک ہی وقت میں غریب نوجوانوں اور مفلس مزدوروں سے بھی لطف و کرم کے ساتھ پیش آتی، جس کی وجہ سے وہ عوام میں سب سے انتہا ہر دلعزیز

ہوگئی تھی ۔

اگر یہ مقولہ صحیح ہے کہ ایک تاجدار کو اپنی رعایا کی حالت کا اندازہ ہونا چاہئے تو ہیلن اسی زمانے سے وہ تجربہ حاصل کر رہی تھی جو آئندہ ملکہ بننے کے بعد اُس کے لئے مفید ثابت ہوا۔ چنانچہ اُسنے چھوٹی سی عمر میں جب کہ اُس کی ہم عمر لڑکیاں گھروں میں گڑیاں کھیلا کرتی تھیں۔ وہ تجربے حاصل کر رہے تھے، جو اُس کی آئندہ زندگی میں کار آمد ثابت ہوئے۔ اُس نے اپنی حکمت عملی سے یہ راز بھی دریافت کر لیا تھا کہ ظالم مرد کو یہ فریب دے کر کہ اُس کی خواہشات پوری کی جا رہی ہیں کس طرح قبضے میں کیا جا سکتا ہے۔ جو سبق ہیلن سیکھ چکی تھی وہ کامتا کے اُس المیہ کردار سے بدرجہا زیادہ نتیجہ خیز تھا، جو وہ اسٹیج پر تماش بینوں کے سامنے پیش کرتی تھی ۔

اُس کی ماں کو پھر خوف ہوا کہ ہیلن نے اسٹیج کے پس پردہ جن بے عنوانیوں میں اپنے آپ کو ڈال رکھا ہے وہ کہیں اُسے روز بدنہ دکھائیں اس لئے وہ اکثر یہ تہدید آمیز جملہ استعمال کیا کرتی تھی کہ "اپنے آپ کو اتنا سستا نہ بناؤ کہ لوگوں کی نظروں سے گر جاؤ" ۔

ہیلن کو اسٹیج پر کام نہ کرنے کا مطلق ملال نہ تھا، کیونکہ اسٹیج پر نقل کو اصل بنا کر دکھایا جاتا ہے اور ہیلن عشق و محبت کے اصلی روپ میں اپنے آپ کو پیش کرتی تھی۔ ہیلن اب بچپن کی حدود سے نکل کر جوانی میں قدم رکھ چکی تھی اور شباب کی تمام رعنائیاں اس میں پیدا ہو گئی تھیں، اب وہ لمبا سا چغہ جسے پہن کر ہیلن ایک

غلام کی حیثیت سے اسٹیج پر آتی تھی، اُس کے سڈول جسم کے اُبھار کو پوشیدہ نہ رکھ سکتا تھا۔ ہیلن کی سبق آموزی کا زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ اب اُس کو ایک غلام کا پارٹ ادا کرنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ وہ اب اس قابل ہو گئی تھی کہ تماش بینوں کے سامنے اپنے نیم عریاں حُسن کی نمائش کر سکے۔ اُس کی ماں ہیلن سے یہ کہا کرتی کرتی تھی کہ "اب تم جوان ہو گئی ہو، اور اسٹیج پر جانے کے قابل ہو۔ لیکن یہ یاد رہے کہ صرف ایکٹرس بننے میں تمہاری کامیابی نہیں، تھیٹر کی اس زندگی کو تمہیں اپنی آئندہ زندگی کی کامیابی کا زینہ سمجھنا چاہیئے" ؛

تیسرا باب

ہیلن کی ماں ہیلن کو لیکر ایک تھیٹریکل کمپنی کے ڈائرکٹر کے پاس پہنچی جو گفتگو ڈائرکٹر اور ہیلن کے درمیان ہوئی اُس نے ڈائرکٹر پر بڑا اثر کیا۔ وہ کہنے لگا کہ :-

"ہیلن کو قدرت نے ایک بڑی شخصیت بننے کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس لئے اُس کو تھیٹر کے گمنام اداکاروں کے ساتھ ملنے نہ دینا بہتر ہوگا۔ میری رائے ہے کہ اگر یہ لڑکی ایک دن سچ مچ ملکہ بھی بن جائے تو اپنا پارٹ نہایت حسن و خوبی سے ادا کرے گی "

ڈائرکٹر کی مردم شناسی بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ کیونکہ وہ دن بہت قریب تھا، جب ہیلن، برطانیہ کی سلطنت کی شطرنج پر ملکہ کے فرائض انجام دینے والی تھی تھیٹر کی اسٹیج پر ناز و انداز دکھانا یا کسی حزنیہ ڈرامہ میں المناک پارٹ ادا کرنا اُس لڑکی کے لئے جو مستقبل قریب میں ملکہ بننے والی تھی موزوں نہ تھا۔ نیز تھیٹر کی بجائے اگر وہ سوسائٹی کے کسی اور بدنام طبقے میں تعلقات پیدا کرتی تو بدکاری کی

اُن ہولناک گہرائیوں میں گر جانے کا اندیشہ تھا جہاں سے پھر اُس کا اُبھرنا ممکن نہ تھا۔ ہیلن میں ایک اچھی ایکٹرس بننے کا مادہ نہ تھا۔ وہ ہر پارٹ کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی تھی۔ البتہ وہ اونچے طبقے کی ذمہ دار شخصیتوں کے کردار کے لئے بہت موزوں تھی۔ اس لئے یہی کافی سمجھا گیا کہ وہ سوسائٹی کے اعلیٰ طبقے میں اپنے حُسن کی نمائش اس طرح کرے کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک سلطنت کے بڑے بڑے عمائد کو اپنا بندۂ بے دام بنالے۔ پھر شہنشاہ تک رسائی پیدا کرلینی اُس کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی۔

مگر ہیلن کی ماں اس سے مطمئن نہ تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہیلن پہلے اسٹیج پر نام پیدا کرے۔ وہ ہیلن کو ایسی اداکار دیکھنا چاہتی تھی جو کبھی سامعین کو ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ کردے، اور کبھی اُن کی آنکھوں سے اشک کے سیلاب بہائے، لیکن ہیلن کو اسٹیج کی زندگی پسند نہ تھی۔ وہ بسا اوقات جب آئینہ کے روبرو کھڑی ہو کر اپنے حُسن کو بے نقاب دیکھتی تو اُس کے دل میں یہی یہ خیال آتا تھا کہ اسٹیج کی مصنوعی ملکہ بننے کی بجائے قدرت نے اس کو قسطنطین کی ملکہ بننے کے لئے پیدا کیا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ تصور میں ہیلن اپنے آپ کو ملکہ سمجھ کر اپنے لچکدار جسم کو اس قدر خمیدہ کر لیتی کہ سر سے پاؤں تک اُس کا جسم ایک لغزشِ مستانہ میں رقص کرتا نظر آنے لگتا۔

ہیلن کے یہ انداز بڑے دلفریب تھے، جو شاید اُس کے اسٹیج پر جانے

کے بجہ حقیقت کو تصنع میں بدل دیتے. نسوانی جسم کی لغزشوں میں اور اس کے سڈول پن میں جو موسیقی، راگ، بلکہ شاعری پنہاں ہے وہ معمولی درجے کے آدمی کو بھی اونچے سے اونچے مقام پر پہنچا سکتی ہے. شاید یہی وجہ ہو گی جو افلاطون نے اپنے شاگردوں سے کہا تھا کہ دنیا کی تمام خوبصورت چیزوں میں سب سے زیادہ خوبصورت چیز عورت کا جسم ہے +

بزنطینی عورت کی خوبصورت جسمانی ساخت کی پرستش کرتے تھے، اور انکی یہ پرستش جنون کی حد تک پہنچ گئی تھی جس کے آگے ہر چیز ہیچ نظر آتی تھی قسطنطنیہ کے شاہی سرکس میں سپاہگری اور نیزہ بازی کے کرتبوں کے درمیان وقفے اسلئے دئے جاتے تھے کہ دور دراز ممالک سے لائی ہوئی حسین لڑکیاں نیم عریاں لباس پہن کر حاضرین کو اپنے حسن وشباب سے لطف اندوز کر سکیں، اور یقیناً یہ لطف، شہسواری اور سپاہگری کے تمام فنون سے زیادہ روح پرور تھا +

دوسری مرتبہ جب سیلین تھیئٹر کے اسٹیج پر غلاموں کا پارٹ ادا کرنے کے لئے نہیں بلکہ ایک دیوی کے روپ میں ظاہر ہوئی تو معصومیت کے لحاظ سے وہ ایک فرشتہ نظر آتی تھی. پلاٹ انڈمیین[1] کی زندگی کا ایک واقعہ تھا. اس سین میں یہ دکھایا گیا تھا کہ انڈمیین اپنے خوابوں کی دنیا میں پڑا سو رہا ہے، اور ڈائنا[2]

---

[1] Endymion   [2] Diana

بادلوں میں سے نکل کر اس حسین نوجوان کے پاس آتی ہے، اور اسے پیار کرتی ہے۔ جب یہ نوجوان خواب سے بیدار ہونے لگتا ہے تو ڈائنا گھبرا کر بھاگتی ہے اور اپنی نقاب بھول جاتی ہے جو انڈمین کے ہاتھ لگتی ہے +

یہ مختصر سین تکلم سے بے نیاز ہوتا ہے۔ صرف حرکات اور جذبات سے سرائگی کا اظہار کیا جاتا ہے +

جب انڈمین اسٹیج پر پتوں اور ٹہنیوں کے درمیان (جن سے جنگل کا ایک سین دکھانا مقصود ہے) پڑا سوتا ہوتا ہے تو بانسری کے ہلکے ہلکے سُر ڈائنا کی آمد کی اطلاع دیتے ہیں، اور جس وقت ایک آخری جگر خراش تان کے ساتھ موسیقی بند ہوتی ہے تو ہیلن تیر کی تیزی اور پرندے کی سبک خرامی کے ساتھ اسٹیج پر آتی ہے — اور چند حسین لڑکیاں اس کی جلو میں ہوتی ہیں۔ اس وقت ہیلن کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتا ہے۔ سب ٹکٹکی باندھے اُسے دیکھتے ہیں۔ دیکھنے والوں کو ہیلن کی رفتار پر پرواز کا شبہ ہوتا ہے۔ اس کے پاؤں شاذ ہی زمین پر ٹکتے ہیں۔ اُس کے لمبے لمبے کھُلے ہوئے سیاہ بال ہوا میں رقص کرتے ہیں اور اُس کی آنکھوں سے محبت اور خوشی جھلکی پڑتی ہے +

ہیلن کا لباس اتنا کم اور باریک تھا کہ اُس پر عریانی کا شبہ ہوتا تھا، آخر معصوم ڈائنا کو لباس کی کیا حاجت تھی +

ڈائنا اسٹیج پر آتی ہے اور اپنے محبوب کو تلاش کرتی ہے۔ جب وہ اپنے

محبوب کو ایک کونے میں سوتا دیکھتی ہے تو اُس کے سارے جسم میں خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا انڈمین کے حُسن کا جو سماں اُس کی آنکھوں نے دیکھا ہے اُسے اُس کا سارا جسم محسوس کر رہا ہے۔ وہ انڈمین کے پاس دو زانو ہو کر بیٹھتی ہے، اور دل ہی دل میں اُس کے خدا داد حسن پر عش عش کرتی ہے۔ پھر ہیلن اپنے محبوب کے اوپر جھکتی ہے اور اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہے، گویا وہ اپنے وہم کو یقین میں تبدیل کرنا چاہتی ہے کہ یہ خواب نہیں بیداری ہے۔

ڈائرکٹر کی یہ ہدایت تھی کہ ہیلن کو جو پارٹ دیا گیا ہے وہ ایک پاک اور معصوم دیوی کا پارٹ ہے، اس لئے محبت کا اظہار بھی اس طرح کیا جائے جو معصوم دیوی کے شایانِ شان ہو۔ تاہم محبوب کے مل جانے کی خوشی سے بیقرار ہو کر آہستہ آہستہ محبت میں گرمی پیدا ہو جانا لازمی تھا، لیکن شاید ڈائرکٹر نے یہ نہ سوچا ہوگا اگر ہیلن کو اسٹیج پر واقعی انڈمین سے واسطہ پڑا تو وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے گی۔ جس نوجوان نے انڈمین کا پارٹ ادا کیا وہ بہت حسین تھا، اور اسٹیج پر اس طرح لیٹا ہوا تھا گویا وہ گہری نیند سو رہا ہو۔ اُس کے خوبصورت لمبے لمبے گھونگر والے بال اُس کی کشادہ اور چمکدار پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ اُس کے نازک ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

ہیلن نے ڈائرکٹر کی ہدایت کے بموجب اپنے اظہارِ عشق میں ایک ایسی دوشیزہ کے جذبات کا پوری طرح خیال رکھا تھا جسے پہلی مرتبہ محبت سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس

نے اِس جذبہ کے اظہار میں ایسی دلکشی پیدا کر دی تھی کہ حاضرین کی تالیوں سے سارا تھیٹر گونج اُٹھا لیکن ہیلن اپنا پارٹ ادا کرنے میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ اُس پر کوئی اثر نہ ہوا ممکن ہے ہیلن کے دل میں سچی محبت کا شائبہ پیدا ہو گیا ہو جس سے وہ آج تک بے بہرہ تھی۔ شاید اُس پر دوشیزگی کے وہ احساسات اور جذبات بھی طاری ہو گئے ہوں، جن کو وہ لڑکپن ہی میں فنا کر چکی تھی ؛

لیکن ہیلن کی پاک بازی انڈمین کے حسن کی زیادہ دیر تک تاب نہ لا سکی۔ اُس کے دل میں محبت کی آگ بھڑک چکی تھی۔ وہ تیس ہزار کے مجمع کے سامنے انڈمین کے حُسنِ جہاں سوز پر اس طرح نثار ہو رہی تھی جیسے ایک دوشیزہ کی سیلاب کی طرح اُمنڈنے والی محبت آہستہ آہستہ شرم و حیا کے پردوں کو چاک کرتی چلی جاتی ہے ؛

انڈمین جاگ جاتا ہے اور ہیلن، انڈمین کے ہاتھ میں اپنی نقاب چھوڑ کر اسٹیج سے بھاگتی ہے۔ اسوقت اُسکا بید کی طرح لرزتا ہوا جسم مجسّم موسیقی بن جاتا ہے ؛

اسٹیج کا پردہ گرتا ہے۔ تماشائی مست ہو کر تالیاں بجاتے ہیں اور ہیلن کو واپس بلانے کا مطالبہ ہوتا ہے، مگر وہ واپس نہیں جاتی ہیلن کی ماں بھی خوشی سے پھُولی نہیں سماتی۔ اگر آج ہیلن سچ مچ ملکہ بن جاتی جب بھی اُسے اس سے زیادہ خوشی نہ ہوتی ؛

ڈائرکٹر نے جو قدرت کی نیرنگیوں سے زیادہ واقف تھا مسکرا کر کہا، "کیا عجب ہے کہ ایک دن ہیلن اسٹیج کی ملکہ کی بجائے بزنطین کی ملکہ بن جائے" ؛

چوتھا باب

ہیلن کا نام اُس رات ہر شخص کی زبان پر تھا۔ ہر جگہ اُس کی غیر معمولی کامیابی کے چرچے ہو رہے تھے۔ سیکڑوں نوجوانوں کے دلوں پر اُس کا تصور مسلط ہو گیا تھا۔ اُمرا دلّالوں کے ذریعے ہیلن کے گھر کا پتہ لگا رہے تھے۔ جس رات کو ہیلن کا پارٹ ہوتا، تھیٹر میں ایک نشست بھی خالی نہ رہتی۔ جس نے ہیلن کو اسٹیج پر نہیں دیکھا، گویا اُس نے دنیا میں کچھ بھی نہ دیکھا تھا۔

اسٹیج پر ہیلن کو جو غیر معمولی کامیابی ہوئی تھی، وہ اس کی مزید ہمت افزائی کا موجب ثابت ہوئی اور اب اُسے یہ گمان ہو گیا کہ وہ جو کچھ پبلک کے سامنے پیش کرے گی اُسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اب ہیلن ڈائرکٹر کی ہدایتوں کی پابند نہ تھی، بلکہ اُس نے اختراعات شروع کر دی تھیں۔ انڈمین والا سین اب اُس کے لیے معمولی بات تھی۔ اُس کا لباس اب برائے نام رہ گیا تھا۔ جسے اُس تعیش کے زمانے میں بھی بہت کم برداشت کیا جاتا تھا۔ ہیلن کے حُسن پر اس کی بے مثل اداکاری سونے پر سہاگہ ثابت ہوئی۔ اب اس کی شہرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔

ملک کے گوشہ گوشہ سے لوگ اُس کا تماشہ دیکھنے آتے، اور پھر واپس جانے کا نام نہ لیتے تھے ہیلین کی بڑھتی ہوئی آزادی نے اُسے اس قدر بدنام کر دیا تھا کہ نیک آدمی اُس کا نام سنکر کانوں پر ہاتھ دھرتے تھے ؛

لیکن جوں جوں ہیلین کی آزادی میں اضافہ ہوتا، سرکس کی آمدنی بڑھتی جاتی تھی۔ اس لیئے ہر شخص مطمئن تھا، کیونکہ وہ لوگ بھی جو پارسائی کا دم بھرتے تھے کبھی سرکس سے غیر حاضر نہ ہوتے، بلکہ تماشہ ختم ہونے کے بعد بھی اس امید میں ٹھہر جاتے تھے کہ شاید ہوا سے اسٹیج کا پردہ ہلے اور ہیلین پھر نظر آجائے ؛

بزنطینیوں نے اپنے یونانی اجداد سے موسیقی اور آرٹ کا ایک خاص مذاق ورثہ میں پایا تھا۔ اس لیئے کوئی دعوت ایسی نہ ہوتی جہاں نیم برہنہ حسین لڑکیاں اپنے نغمہ و طرب سے حاضرین کو محظوظ نہ کرتی ہوں۔ اور چونکہ ان لڑکیوں کا اخلاقی معیار بہت پست ہوتا تھا۔ اس لیئے شراب کے دور شروع ہونے پر یہ جلسے عیاشی کی محفلوں میں بدل جاتے تھے۔ ان حسین ماہرین موسیقی کو مالدار میزبان اور اُس کے معزز مہمانوں کے ساتھ رات بسر کرنے میں کیا عار ہوسکتی تھی ؟

ہیلین اب اعلیٰ سوسائیٹی کی کمینہ حرکتوں سے واقف ہوگئی تھی۔ اُس نے سلطنت کے اراکین اور عمائدین کی سیہ کاریوں کی ایک لمبی فہرست مرتب کرلی تھی، اور وہ ان جاہ پرستوں کی ہوسناکیوں کا شکار اس لیئے بنتی تھی کہ اُن سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرے، ورنہ کبھی ایک شخص سے بھی اُس نے اخلاص کا برتاؤ

نہیں کیا۔ یہ لوگ بھی ہیلن کو محض عیاشی کا ذریعہ سمجھتے تھے ؛

ہیلن اب بزنطین کی اعلیٰ سوسائٹی کی رکن بن چکی تھی۔ کوئی جلسہ یا کوئی دعوت ہیلن کے بغیر کامیاب نہ ہوتا۔ دعوت کے بعد ہیلن اپنی فیاضانہ عریانی کے ساتھ مہمانوں کی تواضع کرتی اور اپنے بےمثل ناچ سے اُن کے دل موہ لیتی تھی۔ جب کبھی جلسے میں جاتی تو میزبان اور مہمان دونوں کی توجہ کا مرکز بن جاتی تھی۔ ناچ کے شروع میں وہ شرم و حیا سے کام لیتی تھی۔ مگر جوں جوں رات زیادہ ہوتی اور مئے ارغوانی کے جام پر جام خالی ہوتے جاتے، اس کی زندہ دلی، اس کی بشاشت، اس کی حاضر جوابی، اور اس کی بےحیائی بڑھتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ صبح کو جب وہ بیدار ہوتی تو مرد کی صورت سے کئی کئی دن تک بیزار رہتی تھی ؛

اُس کے احباب اُس کی فیاضی سے بہت خوش تھے۔ وہ عموماً ہر شخص کے ساتھ مہربانی سے پیش آتی تھی، مگر اُس کے غنچۂ حسن سے متمتع ہونا صرف حسین نوجوانوں کو میسر ہوتا۔ ہیلن کی رنگین مزاجی سے اُس کی فطرت کو گہرا تعلق تھا۔ اُس کی صنفی اشتہا کبھی پوری نہ ہوتی تھی۔ شاید اس کا نظریہ یہ تھا کہ قدرت نے اُسے اسلئے حسن عطا کیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ آدمی اُس سے فیضیاب ہوسکیں ؛

پانچواں باب

دعوتوں کی دھوم تھوڑے ہی دنوں میں سارے شہر میں پھیل گئی اور اُن لوگوں میں جو دعوتوں میں شریک نہ ہوتے تھے، حسد کی آگ بھڑک اُٹھی، اور غیض و غضب کی صورت اختیار کرنے لگی۔

بعض آدمیوں کے نزدیک بدنامی اُس وقت تک قابلِ معافی ہے جب تک اُنھیں خود اُس سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے یا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہوگی کہ متوسط طبقے کے لوگ جو ابھی تک محض ہیلین کے نیم عریاں ناچ سے خوش ہو کر چلے جاتے تھے۔ اب اُس کے پارٹیوں میں شریک ہونے اور رات بھر مالدار آدمیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کو برداشت نہ کر سکے۔ صرف روحانی تفریح کافی نہ تھی جب کہ دوسرے آدمی جسمانی تسکین بھی حاصل کر رہے تھے۔ عوام ایک طرف مالدار طبقے سے اور دوسری طرف ہیلین سے ناخوش تھے۔ ان کی خفگی نکوکاری یا راست بازی کی بنا پر نہ تھی، بلکہ غم و غصّہ کی اصلی وجہ یہ تھی کہ ہیلین کو حاصل کرنے کے لئے زرِ کثیر کہاں سے لائیں؟

ہیلن کے مخالفین کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ ایکٹریسیں جن کی گرم بازاری ٹھنڈی پڑ گئی تھی، وہ رقاصائیں جن کا حسن ہیلن کے آگے ماند ہو گیا تھا، وہ لوگ جن کی چغل خوری اور افترا پردازی کی داستانیں ختم ہو چکی تھیں اور انھوں نے اب ہیلن کو اپنا نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا، نیز وہ جونما گندم فروش جو ہیلن کو حاصل کرنا چاہتے تھے، مگر اپنی بے بضاعتی کے سبب ناچار تھے، اور وہ چاہنے والے جن کو ہیلن نے دھتکار دیا تھا، یہ سب اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے۔

ہیلن کو ان سازشوں کا پورا علم تھا جو اس کے خلاف کی جا رہی تھیں۔ لوگ اُسے بُرے لفظوں میں یاد کرتے اور اُس کی تعیش پسندی کی نئی نئی داستانیں گھڑ کر سناتے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ ان لوگوں کے دلوں میں اُس کی کامیابی کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنی شہرت کو ہر قیمت پر برقرار رکھنے کا عزم کر چکی تھی۔

وہ خوب جانتی تھی کہ اُس کی شہرت بدترین قسم کی افواہوں پر منحصر ہے۔ اگر اُن افواہوں میں اضافہ ہو جائے تو اُس کی شہرت کو چار چاند لگ جائیں گے۔ ہیلن اب اس حد تک پہنچ گئی تھی، جہاں انسان بدنامی میں بھی ایک چٹخارہ محسوس کرتا ہے۔ اُس کے سامنے دو راستے تھے۔ یا تو وہ اپنی لہو و لعب کی دنیا سے منھ موڑ لے اور یا مخالفت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

بزنطین میں اب اس کے متعلق اور بھی زیادہ چرچے ہونے لگے۔ جب اُسکا

ذکر کیا جاتا تو اس میں تلخی ہوتی تھی۔ بعض وفادار دوست بھی کنارہ کشی کر رہے تھے، یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ بزنطین کے پادریوں کا ایک وفد شہنشاہ جسٹن سے ملکر ہیلن کی حد سے گزری ہوئی بداعمالیوں کا ذکر کر چکا ہے، اور بادشاہ سے درخواست کی ہے کہ اُسے جلاوطن کر دیا جائے۔

اس کے ناکام پرستاروں کی محبت اب انتقامی شکل اختیار کر رہی تھی جس دریا دلی کے ساتھ وہ لوگوں کو بیدھڑک خوش کیا کرتی تھی وہی فیاضی اب اُس کے لئے بلائے جان ثابت ہو رہی تھی، وہی لوگ اُسے بازاری رقاصہ کہہ کر پکار رہے تھے۔ اس کے برعکس جن لوگوں کو اُس نے کبھی منہ تک نہیں لگایا تھا وہ بھی اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے تھے۔ اور جو لوگ اُس کی سخاوت سے بہرہ مند ہو چکے تھے وہ اپنے تعلقات کا اظہار کرتے ہوئے اس لئے ڈرتے تھے کہ نہ معلوم کتنے غیر معروف یا مشہور آدمی ہیلن کی صحبت سے فیضیاب ہو چکے ہوں گے۔

ہیلن کی شہرت اب ایسے مقام پر تھی جہاں انسان کا قدم عموماً ڈگمگا جاتا ہے اور سنبھلنا مشکل دکھائی دیتا ہے۔ ایسی صورت میں انتہائی دلیری انسان کے آڑے آتی ہے۔ ہیلن کی دلیری میں کسے کلام تھا؟

بعض آدمیوں کو یہ شکایت تھی کہ ہیلن نے اپنا نرخ بہت ارزاں کر دیا ہے۔ جو لوگ اُس کے حُسن کے پروانے بنے ہوئے تھے اور اُس کے ناچ اور گانے سے مست ہو کر "واہ" "واہ" کے نعروں سے سارے تھیٹر کو سر پر اُٹھا لیتے تھے اس لئے

ناراض تھے کہ ہیلین کو امیروں اور رئیسوں کی دعوتوں میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی، رقاصہ پیسے والے کے آگے بھٹو کے کو منہ نہیں لگاتی ؛

وہ دوست جو ہیلین کے ہم نوالہ وہم پیالہ بنے ہوئے تھے اور نیز وہ لوگ جن کے لیے ہیلین کا ہاتھ آنا کسی طرح ممکن نہ تھا دونوں متفق ہو گئے تھے اور سوسائٹی کی ملکہ کو اُس کے تخت سے گرا دینا چاہتے تھے ؛

ان حالات نے ہیلین کے گردوپیش کو مکدر بنا دیا تھا، وہ مردوں سے خائف نہ تھی۔ اُن کی جھکی ہوئی پلکوں اور تنی ہوئی بھووں کی تہ میں مکاری چھپی ہوئی تھی، اور وہ اُن کی مکاری کا دل کھول کر مذاق اُڑاتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ان مکار لومڑیوں کو رام کر لینا مشکل نہیں۔ اُس کی ایک نگاہِ ناز یا ایک محبت بھرے لفظ میں اتنا جادو بھرا ہوا تھا کہ یہ نیکی اور پارسائی کا ڈھونگ رچانے والے اپنی جان تک اُس کے قدموں پر نثار کرنے میں دریغ نہ کرتے۔ مگر وہ ایسے آدمیوں سے ہمیشہ نفرت کرتی تھی جو بزدلی کی آڑ میں اُسے محبت کا پیغام دیتے تھے۔ سچائی کے ساتھ نیک ہونا آسان ہے، مگر سچائی کے ساتھ بد ہونا سہل نہیں۔ البتہ ریاکاری بہت آسان ہے۔ چنانچہ وہ سمجھتی تھی کہ اگر خدا کی ہستی ایک حقیقت ہے تو نیک اپنی نیکی کے صلے میں اور بد اپنی ندامت کی وجہ سے ضرور بخش دیئے جائیں گے۔ مگر ریاکار کے واسطے دین اور دنیا میں کہیں ٹھکانہ نہ ہوگا ؛

ہاں، مگر روباہ صفت مردوں کی عورتیں!۔۔۔۔۔۔ یہ خوں ریز بھیڑیوں سے

کم نہ تھیں۔ اُن کے دلوں میں نام کو رحم نہ تھا۔ بازار میں جب کوئی عورت ہیلن کے پاس سے گذرتی تو وہ اس طرح ناک بھوں چڑھائے اور دامن بچائے نکل جاتی تھی کہ اگر بس چلتا تو اُسے زندہ چبا جاتی ۔

ہیلن کو اس کے بعض وفادار دوستوں نے پہلے سے آگاہ کر دیا تھا کہ اسکے چاروں طرف سازش کا جال بچھایا جا رہا ہے۔ مگر وہ ان باتوں سے متفکر نہ تھی ۔

بعض آدمی اُسے جادوگرنی کہتے تھے۔ ورنہ کیونکر اتنے آدمیوں کو اپنے پھندے میں پھنسا سکتی تھی! لوگ اسے بدنظر بھی کہتے تھے، اور یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ وہ پہلے مردوں پر جادو کرتی ہے اور پھر اُن کو برباد کر دیتی ہے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اگر قسطنطین میں کوئی زلزلہ آتا یا وبائی مرض پھیل جاتا جب بھی اتنی غارت گری نہ ہوتی جتنی ہیلن کی وجہ سے رونما ہوئی۔ وہ بہت مہلک تھی ۔

ہیلن جانتی تھی کہ اگر اُس نے اب بھی مدافعتی تدبیریں اختیار نہ کیں تو وہ برباد ہو جائے گی اور سارے ملک میں ایک آدمی بھی اس کا ہمدرد باقی نہ رہے گا۔ عیاشی کے لئے ہمت کی ضرورت ہے۔ بزدل عیاش نہیں ہوا کرتے ۔

ہیلن کے تجربوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ جو لوگ کل اُس کے تلووں کے نیچے آنکھیں بچھاتے تھے آج وہ اس سے بیزار تھے۔ وہ رئیس جو بڑی بڑی رقمیں خرچ کر کے اسے حاصل کرنے پر فخر کیا کرتے تھے، اور وہ کم ظرف انسان جو کل اُس کے حُسن سے خوشہ چینی کر رہے تھے آج اُس پر سربازار پھبتیاں پھینک رہے تھے ۔

کل کی ملکہ آج غلام سے بدتر تھی ؛

صرف اُس کے دشمن ہی اُس کی مخالفت پر کمربستہ نہ تھے بلکہ وہ دوست جو کل اس کی گردن میں بانہیں ڈالے پھرا کرتے تھے آج رسوائی کے خوف سے آنکھ بھی نہ ملاتے تھے۔ اُس کے مخالفین میں وہ ریاکار بھی شامل تھے جن کے کرتوتوں کا بھانڈا پھوٹ چکا تھا، اور وہ اراکینِ سلطنت بھی تھے جنھوں نے شاہی عتاب کے ڈر سے ہیلن سے منھ موڑ لیا تھا ؛

ان باتوں کا ردِ عمل یہ ہوا کہ اب ناچنے والی بازاری لڑکیاں بھی نیم عریاں رہتے ہوئے ڈرتیں اور دوپہر رات گئے تک اپنے چکلوں کے دروازے بند رکھتی تھیں شاید بزنطیں کے سارے آدمی ایک دفعہ پھر نیکی کے راستے پر چلنے کی کوشش کر رہے تھے ؛

ہیلن بزدل نہ تھی۔ وہ اب بھی بیباک جلسوں میں اپنی پہلی شان سے نمودار ہوتی تھی۔ اُس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا، اور اُس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے صاف نظر آتے تھے۔ جب عورتیں اُسے حقارت آمیز نظروں سے دیکھتیں تو اُس کے ہونٹ کانپنے لگتے تھے ہیلن ان خشمگیں عورتوں کا دلیری سے مقابلہ کرتی اور اس کشمکش میں اُسکی خوبصورتی دوبالا ہو جاتی، اور پھر کسی کو اس کی توہین کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی ؛

مگر ہیلن کی ماں سخت پریشان تھی۔ ضعیفہ کا خیال تھا کہ لڑکیوں کے انتہائی عروج اور شہرت حاصل کرنے کے بعد وہ ان کے ساتھ فارغ البالی کی زندگی بسر کریگی مگر اب اُس کی ساری امیدیں خاک میں ملتی دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کے ذرین

مشوروں کا ہیلن پر جو برعکس اثر ہوا تھا اُس کا بھی بڑھیا کو بہت ملال تھا۔ ہیلن کی آناً فاناً کامیابی نے جتنا اُسے خوش کیا تھا، اُسی قدر اُس کی دفعتہً بے توقیری نے اُسے مایوس کر دیا۔

ہیلن کی بڑی بہن کانسٹا کامیاب زندگی بسر کر رہی تھی۔ وہ ایک رئیس کی داشتہ بن گئی تھی۔ وہ اپنی ماں سے اکثر شکایت کرتی کہ ہیلن کی بے عنوانیوں کی بدولت اُسے عوام کو منہ دکھاتے شرم آتی تھی۔

اب لازم ہو گیا تھا کہ ہیلن فوراً اپنا رویہ بدل ڈالے، اور اس طوفانی زندگی سے احتراز کرے۔

احتراز! کون احتراز کرے؟ وہ جو سوسائٹی کی ملکہ بن چکی تھی؟ جو لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکی تھی؟ کیا ہیلن سے توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنی رنگین دنیا کو ہمیشہ کیلئے خیرباد کہہ دے اور پارسا بن جائے؟

آخر کنارہ کشی کے بعد وہ کہاں جائے؟ دیہات میں؟

کیا یہ ہیلن کے لئے ممکن تھا جس نے آنکھ کھول کر عسرت کا منہ دیکھا، مگر جوان ہونے کے بعد دولت نے جس کے قدم چومے؟ ہیلن کو ابھی دنیا میں نام پیدا کرنا تھا۔ دیہات میں جانا خودکشی تھا۔ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ دیہات میں ہرگز نہ جائے گی۔

دوسری تجویز یہ تھی کہ وہ شادی کرے۔ مگر جوانی میں شادی کرنا کیسی مہمل بات ہے!

تیسری تجویز یہ تھی کہ وہ کچھ عرصے کے لئے سفر پر روانہ ہو جائے۔ کیا یہ ممکن تھا؟ ؂

اپنی ماں کی منت سماجت اور اپنی بہنوں کی شہرت کی خاطر ہیلن ایک دن گھر سے غائب ہو گئی! ؂

چھٹا باب

ہیلن کو گھر سے غائب ہوئے ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ اُس کے مخصوص اڈّے سُونے پڑے تھے۔ شہر کی رونق بھی کم ہو گئی تھی۔ اب بزنطینیوں کو احساس ہو رہا تھا کہ زیادہ تر چہل پہل ہیلن کے دم سے تھی ۔

ہر شخص کو ہیلن کی گمشدگی کا ملال تھا۔ مگر اُس کا مظاہرہ یا اعلان ممکن نہ تھا۔ لوگ چپکے چپکے ایک دوسرے سے باتیں کرتے، مگر کسی غیر معمولی دلچسپی کا اظہار نہ ہونے دیتے تھے ۔

"ہیلن غائب ہو گئی" ہر شخص کی زبان پر تھا ۔

کوئی کہتا تھا کہ وہ خانقاہ میں جا کر روپوش ہو گئی۔ مگر رنگین مزاج آدمی اس جملے پر قہقہہ لگا کر کہتے ۔

"نہیں میرے دوست اُسے کسی چکلے میں جا کر تلاش کرو ——"

تمام چکلوں کی خاک چھان ڈالی، مگر ہیلن کا کہیں پتہ نہ تھا ۔

جن کو زیادہ ملال تھا وہ ہیلن کی ماں سے حقیقت دریافت کرنے پہنچے۔ مگر بڑھیا کے پاس آنسوؤں کے سوا کیا رکھا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ کسی دل جلے عاشق

نے اُس کا کام تمام کر دیا ہوگا۔ بزنطین میں قتل کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا۔ روزانہ باسفورس میں ایک نہ ایک مقتول کی لاش بہتی دکھائی دیتی تھی۔ لوگوں کی بیقراری جب زیادہ بڑھی تو پولیس نے بھی تفتیش شروع کر دی، اور جو لاش باسفورس میں دکھائی دیتی اُسے شناخت کے لیئے باہر نکالا جاتا۔ مگر ہیلین کی لاش پھر بھی نظر نہ آئی ؛

کچھ آدمیوں کو شبہ تھا کہ شہر کے کوتوال نے ہیلین کو اپنی عیاشی کے لئے اغوا کر کے کسی پوشیدہ جگہ چھپا رکھا ہے۔ اُس غریب کو اپنی جان بچانی مشکل ہوگئی۔ آخر اُس نے ایک پوسٹر شائع کر کے اپنی بے گناہی کا اعلان کیا، اور ساتھ ہی لوگوں کو اطمینان دلایا کہ پولیس ہیلین کو تلاش کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھے گی ؛

مگر عورتیں بہت خوش تھیں۔ اب وہ آزادی کے ساتھ شہر کی گلی کوچوں میں پھر کر اپنے لیئے حسین نوجوان دوست تلاش کر سکتی تھیں۔ ان کے شوہر ہیلین کے غائب ہو جانے سے بہت پریشان تھے، مگر ڈر کے مارے بیویوں سے اس کا ذکر تک نہ کرتے تھے۔ اُن کی پریشانی میں اب اضافہ ہو رہا تھا۔ ان کی محبوبہ تو پہلے ہی کھو چکی تھی، اب بیویاں بھی ہاتھ سے جا رہی تھیں ؛

ایک دن کسی ملاح نے خبر دی کہ اُس نے ہیلین کو جہاز پر سوار ہوتے دیکھا ہے۔ مگر اُس کی بات کا کسی نے یقین نہیں کیا۔ اگرچہ بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی اطلاع بالکل صحیح تھی ؛

ہیلن کم ہمت نہ تھی۔ وہ شکست کھا کر بزنطین سے نہیں بھاگی ہیلن کی قماش کی عورتیں اتنی جلدی ہار نہیں مانتیں۔ بات یہ تھی کہ اُس کا پرانا دوست ہیکل افریقہ کا گورنر بن کر جا رہا تھا۔ ہیلن کو ہیکل سے محبت تھی ہیلن کی بدولت ہیکل کو یہ عروج حاصل ہوا تھا۔ مگر ہیکل، بزنطین میں کھلے خزانہ ہیلن سے نہیں ملتا تھا۔ اب ہیلن کے دل کی مراد بر آئی۔ وہ اپنے محبوب کے ساتھ افریقہ روانہ ہو گئی ؎

ہیلن نے یہ چال چلی کہ کسی ملاح کو رشوت دے کر رات کی تاریکی میں اسی جہاز پر سوار ہو گئی جس پر ہیکل سفر کر رہا تھا۔ جہاز نے جب لنگر اُٹھا لیا اور کافی دُور نکل گیا تو ہیلن اپنی کمین گاہ سے نکلی اور تختۂ جہاز پر جا کر اپنے محبوب کی گردن میں باہیں ڈال دیں ؎

ہیکل کے لئے ہیلن نے بڑی بڑی قربانیاں کی تھیں۔ مگر وہ اُس کی محبت کا اہل نہ تھا۔ وہ صرف غرض کا بندہ تھا۔ اُس کے پاس نہ دل تھا، نہ دماغ، پھر نہ معلوم کیوں ہیلن اُس کو اتنا عزیز رکھتی تھی؟ ہیلن کو کیا خبر تھی کہ جس شخص کا وہ آسرا لے رہی ہے۔ وہ بھی اُس کے مخالفوں کے زُمرہ میں شامل تھا۔ وہ غریب اُسے مخلص سمجھ رہی تھی ؎

جہاز پر بہت کم آدمی سوار تھے ہیکل تختۂ جہاز پر کھڑا کپتان سے باتیں کر رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دفعتہً ہیلن آنکھوں لباس زیب تن کئے بادبان

کے نیچے سے نکلی اور بجلی کی طرح کوندتی ہوئی ہیکل کے پاس جا پہنچی۔ جہاز کا کپتان ہکا بکا ہو گیا۔ مگر ہیکل کا چہرا غصے کے مارے سُرخ ہو رہا تھا؛

اُس نے دانت پیستے ہوئے دبی ہوئی آواز میں کہا۔ میں تجھے اِس کا مزہ چکھاؤنگا؛

مگر ہیلن اِسے مذاق سمجھی۔ ہیکل نے بھی اُس کے نازک ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیکر بوسہ دیا حسین عورت کے ساتھ سمندری سفر کی تکلیفیں زیادہ شاق نہیں معلوم ہوتیں۔ یہ سمجھکر اُس نے ہیلن سے اخلاص اور پیار کی باتیں شروع کر دیں؛

ہیلن سمجھی کہ اُس نے اپنے محبوب کی محبت کو دوبارہ حاصل کر لیا ہے۔ نرم نرم ریشمیں تکیوں میں رات بسر کرنے کے بعد صبح کی سہانی فضا ان کے دل کو عجیب مسرت بخشتی تھی۔ غرض عیش میں دن بسر ہو رہے تھے؛

ممکن ہے کہ مالکانہ تصرف اور حیوانی جذبات نے مل کر ہیکل کے دل پر کوئی اثر ڈالا ہو۔ مگر پھر بھی سمجھنے والے سمجھ رہے تھے کہ وہ ہیلن کی بجائے اُس کے قیمتی زیورات پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ ہیکل آز کا بندہ تھا۔ اُس کے شاہی اخراجات کی کفالت تنخواہ سے نہ ہو سکتی تھی، اس لئے ہیلن کو عموماً اُس کی مدد کرنی پڑتی تھی۔ ہیکل جانتا تھا کہ چند ہفتے ایک حسین معشوقہ کے ساتھ عیاشی کرنے میں کوئی قباحت نہ تھی۔ جبکہ اُسی کے قیمتی زیورات کو وہ اپنی فضول خرچیوں پر صرف کر رہا تھا۔ ہیلن کی دولت ختم ہونے پر وہ پھر باورچی خانہ کی ماماؤں کی طرف متوجہ ہو سکتا تھا، جو عین اُس کے مذاق کے مطابق تھیں؛

ہیکل کے دماغ میں یہ باتیں بسی ہوئی تھیں۔ لیکن ہیلن کیا منصوبے باندھ رہی

تھی!

ہیکل بدشکل تھا اور ہیلین خوبصورت تھی۔ مگر ہیلین کو اُس سے اتنی محبت تھی کہ وہ اُس کے ساتھ شادی کرکے عافیت کی زندگی بسر کرنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ برلین میں ناکامی کے بعد اب پھر مزید "فتوحات" حاصل کرنا دشوار کام تھا؛

یقیناً ابھی ہیلین کی عمر اتنی نہ تھی کہ وہ تسبیح اور زنار لیکر بیٹھ جاتی۔ لیکن انتہا سے زیادہ عیاشی کے آثار اُس کے چہرے پر ضرور نمایاں ہو گئے تھے۔ ہر ممکن احتیاط کے باوجود وہ ایک دفعہ سے زیادہ حاملہ ہو چکی تھی اور حمل سے نجات حاصل کرنے کے لئے اُسے نہایت مہلک طریقے اختیار کرنے پڑے تھے۔ جن کا اثر اُس کی صحت پر پڑنا لازمی تھا؛

اس بیس سال کی لڑکی کے چہرے سے اُس کی طوفانی زندگی کے آثار صاف صاف نظر آ رہے تھے۔ مگر اُس کی مجموعی خوبصورتی میں ابھی تک کوئی خرابی پیدا نہ ہوئی تھی۔ جہاز کے ملاحوں اور مسافروں کی حریصانہ نگاہوں نے اُسے مزید یقین دلا دیا تھا کہ وہ اب بھی حسین ہے؛

گھر سے فرار ہوتے وقت ہیلین نے ٹوائلٹ کا سارا سامان ساتھ لے لیا تھا۔ وہ روزانہ دو تین گھنٹے اپنی آرائش میں صرف کرتی تھی۔ بالفرض اگر وہ آئینہ سے بھی اپنے حُسن کی شہادت طلب نہ کرتی تب بھی ہیکل کی بیہیانہ ہم آغوشی اس کا ثبوت دے رہی تھی کہ اُس کا حُسن اب بھی مرد کے دل پر بجلی گرا سکتا ہے؛

شاید ہیلن کو اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا تھا۔ شاید ہیکل سے ہم آغوشی کے وقت اُس نے وہ طریقے اختیار نہیں کیے تھے، جو اپنے دوسرے دوستوں کے ساتھ محبت کی ملاقاتوں میں استعمال کرتی تھی۔ ہیکل کے ساتھ ہم آغوشی میں اُسے اب شرم محسوس ہوتی تھی جو پیشہ ور عورتوں کو کبھی کبھی سچی محبت پیدا ہو جانے سے دامنگیر ہو جاتی ہے، اور وہ شرم کی بنا پر اپنے حرفے کے تمام راز فراموش کر بیٹھتی ہیں اور دوشیزگی کی کھوئی ہوئی لاج پر آنسو بہاتی ہیں۔

اگر ہیکل کے پاس روپیہ کم تھا تو ہیلن کے زیورات کس لئے تھے!

مگر ہیکل کے خیالات مختلف تھے۔ اُس نے ہیلن سے جسمانی تسکین حاصل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی، مگر اس کے باوجود وہ اس سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونے پر تُلا ہوا تھا۔ چنانچہ کارنتھج پہنچ کر اُس نے صاف صاف کہہ دیا کہ:۔

"اب ہمیں اچھے دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے جُدا ہو جانا چاہیئے میرا نیا عہدہ پرانی محبت کو نہیں نبھا سکتا۔ اگر تم میری دوست ہو تو تم کو خود ہی اس بات کا خیال کرنا چاہیئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم میری ترقی کے راستے میں حائل نہ ہوگی"۔

"میری ترقی کے راستے میں حائل نہ ہوگی" یہ الفاظ ہیلن کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ ہیلن کو جب پچھلی باتوں کا خیال آتا کہ اُس نے کس کس طرح اپنے جسم کی رشوت دیکر ہیکل کو گمنامی کے غار میں سے نکال کر اس عہدے تک پہنچایا تھا تو اُس کے دل پر سانپ لوٹ جاتا تھا۔

ہیلن اب ہیکل کی نظروں میں بالکل گر چکی تھی۔ اُس نے کوئی دقیقہ منت اور سماجت کا اٹھا نہ رکھا۔ اُس کی آخری التجا یہ تھی کہ اس کے پاس کافی جواہرات موجود ہیں، وہ صرف ہیکل سے کارتھیج میں الگ رہنے کی اجازت چاہتی تھی۔ ہیکل نے اس شرط پر اجازت دے دی کہ ہیلن کبھی اُس سے ملنے کی کوشش نہ کرے گی ؂

ہیلن اب بھی خوش تھی۔ اظہارِ تشکر میں اُس نے ایک بیش قیمت انگوٹھی ہیکل کی نذر کی۔ اس کے بعد جب کبھی ہیکل کو روپے کی ضرورت ہوتی وہ ایک قاصد ہیلن کے پاس بھیج دیتا اور ہیلن خوشی خوشی اپنا کوئی بیش قیمت زیور اس کے حوالے کر دیتی اور سوچتی "ہیکل نے مجھے یاد تو کیا" وہ اسی میں خوش تھی ؂

یکے بعد دیگرے ہیلن کے تمام زیورات ہیکل کی فضول خرچیوں کے بل چکانے میں ختم ہو گئے۔ مگر وہ کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائی۔ ہیکل اُس کے روپے سے بڑی شاندار اور پُرتکلف دعوتیں کرتا تھا، مگر انمیں شریک ہونا ہیلن کو نصیب نہ تھا۔ وہ صرف دعوتوں کے اخراجات ادا کرنے کی ذمّہ دار تھی ؂

ایک دن جب ہیکل کا قاصد مزید مطالبہ کے لئے ہیلن کے پاس پہنچا تو ہیلن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اُس نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا :۔

"زیورات تو اب ختم ہو گئے۔ البتہ میں موجود ہوں۔ میرے آقا سے کہدو کہ اگر وہ چاہے تو مجھے فروخت کر کے اپنے بل ادا کر سکتا ہے۔ میں اسے بھی اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی" ؂

دوسرے دن پولیس کا ایک افسر ہیلن کے مکان پر پہنچا اور اُسے حکم دیا کہ چھ گھنٹے کے اندر اندر شہر بدر ہو جائے!

ساتواں باب

بندرگاہ کی غریب بستیوں کے قریب لوگوں نے ایک دُبلی پتلی حسین عورت کو چلتے پھرتے دیکھا جس کا چہرا زرد تھا اور جس کی صورت پر یاس برس رہی تھی۔ وہ کون تھی، یہ کسی کو معلوم نہ تھا، وہ اپنے ماضی کا ذکر کسی سے نہیں کرتی تھی۔ عورتوں سے وہ خاص طور پر متنفر معلوم ہوتی تھی لیکن چونکہ وہ کم سخن اور مرنج و مرنجان طبیعت کی عورت تھی، اس لئے اس کے "کسبِ مال" میں کوئی مزاحم نہ ہوا۔

اُس دُبلی پتلی حسین عورت نے ایک قہوہ خانہ میں جا کر پناہ لی۔ قہوہ خانہ کی مالکہ اُس پر بہت مہربان ہوگئی۔ یہاں بھانت بھانت کا آدمی آتا اور ایک دو دن ٹھہر کر چلا جاتا تھا۔ چنانچہ اُس کی واقفیت بہت سے لوگوں سے ہوگئی تھی۔

ایک دفعہ رات کے وقت ایک اجنبی قہوہ خانہ میں آیا۔ قہوہ خانہ میں حاجتمندوں کو شراب بھی مل سکتی تھی، اور ضرورتمند شب بسر کرنے کے لئے

کمرہ بھی کرایہ پر لے سکتے تھے۔ چنانچہ اُس رات یہ حسین عورت ایک اجنبی کی مہمان تھی
اجنبی نے شراب سے اُس کی تواضع کی۔ شراب چونکہ بہت عرصہ بعد میسر ہوئی تھی۔ اس
لئے اُس نے خوب دل کھول کر پی۔ شراب نے پھر اُس پر ایک کیف طاری
کر دیا۔ شراب سے مست ہو کر اُس نے پھر وہی خاموش ناچ شروع کر دیا، جو اُس کی
شہرت کا ذریعہ بن چکا تھا؛

غرض اب یہ حسین عورت روز کسی اجنبی کی "مہمان" بننے لگی۔ جب کوئی گاہک
نہ ملتا تو بستی کے ملاحوں کے لئے سامانِ نشاط پیدا کیا جاتا تھا۔ اصل میں ہوٹل
کی مالکہ نے اس کی سرپرستی اسی لئے قبول کی تھی کہ وہ روزانہ اُس کے خریداروں
کو اپنے ناچ رنگ سے خوش کیا کرے گی، اور اگر کوئی مسافر قہوہ خانہ میں رات
بسر کرے گا تو وہ اس کی دلداری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھے گی؛

اس ذلیل زندگی کے دوران میں اُس نے ایک دفعہ یہ سنا کہ ہیکل نے
کوئی مالدار رشتہ تلاش کر لیا ہے۔ مگر اب ہیکل اُس کی زندگی سے نکل چکا تھا۔ اس
لئے اس کا خیال کرنا بھی عبث تھا۔ اب وہ اپنے آپ کو قسمت کے سپرد کر چکی تھی،
اور اپنی موجودہ زندگی کچھ زیادہ قابلِ نفرت نہ سمجھتی تھی۔ اُس کے صنفی جذبات ابھی
تک مشتعل تھے، اور روز نئے نئے آدمیوں سے ملنا اُس کے لئے کافی کشش رکھتا
تھا؛

مگر محبت نے ایک اور وار کیا۔ اس دفعہ وہ ایک عرب تاجر کی صورت میں

نمودار ہوئی۔ ہیلن اس عرب کو اپنے ملک کی عورتوں سے زیادہ حسین دکھائی دی۔ ہیلن کا جذبۂ محبت ابھی مٹا نہ تھا۔ وہ بھی اس مضبوط، شریف اور مہربان دوست پر مائل ہونے لگی۔ نووارد نے ہیلن کو اپنی سیر و سیاحت کے قصے سنانے شروع کئے۔ ہیلن صحراؤں اور نخلستانوں کے حالات بڑی دلچسپی سے سنتی تھی۔ چنانچہ جب عرب نے چاہا کہ ہیلن کو اپنے ساتھ لے جائے تو وہ خوشی سے رضامند ہوگئی اور ایک لمبا سیاہ لبادہ پہنکر کارواں سرائے جا پہنچی۔

مگر یہ ہیلن ایک نئی ہیلن تھی۔ یہ لڑکوں کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس کے دل میں سفر کا ایسا شوق پیدا ہوگیا تھا کہ اُسے ہر چیز بھلی معلوم ہونے لگی۔ ایک چھلانگ لگا کر وہ بیٹھے ہوئے اونٹ کی پیٹھ پر سوار ہوگئی۔ عرب بھی اپنی خوش قسمتی پر اس لئے نازاں تھا کہ اُس کی ملاقات ایک ایسی عورت سے ہوگئی تھی جو کسی بات میں بھی اس سے ہٹتی نہ تھی اور جو اُس کی آغوش میں جانے کے لئے اُس سے زیادہ زیادہ بیتاب رہتی تھی۔

ہیلن نے مردانہ لباس میں شمالی افریقہ کو طے کیا اور مراکو سے ہوتی ہوئی مصر جا پہنچی۔ مصر میں یہ اتنی مقبول ہوئی کہ اکثر سوداگر بڑی بڑی قیمتیں دے کر عرب سے اسے خریدنا چاہتے تھے، مگر عرب ان باتوں کو ہنس کر ٹال دیا کرتا تھا۔ ہیلن روز رات کو عرب کے ریشمیں خیمے میں عود اور عنبر کی خوشبوؤں میں سویا کرتی تھی۔

ہیلن کی صنفی اشتہا میں کوئی کمی نہ ہوئی تھی۔ مگر اب اس کے جسم میں ایک

خاص تبدیلی ہو رہی تھی جس کی وجہ سے اب اُسے لڑکے کا بھیس چھوڑ کر پھر عورت کا لباس پہننے کی ضرورت پیش آئی۔ جب وہ خیمے میں اکیلی لیٹتی تو خیمے کے ریشمیں پردوں سے کھیلا کرتی تھی ؎

وہ یہ سوچتی تھی کہ وہ ان خوبصورت رنگ برنگ کے ریشمی پردوں کو کاٹ کر اپنے بچے کے کپڑے تیار کرے گی جنھوں نے آج تک اس کی محبت کی دیوانگیوں کو دنیا کی نظر سے مخفی رکھا تھا۔ محبت نے اُس پر ایسا قبضہ جما لیا تھا کہ اُسنے احتیاطی تدابیر بالکل فراموش کر دی تھیں۔ بچہ ہونے کی خوشی ہر بات پر غالب آ چکی تھی۔ اب اُسے سچی محبت کا ثمر ملنے والا تھا ؎

عرب کو نہ رنج تھا نہ خوشی۔ اُس کے لئے یہ ایک معمولی بات تھی۔ اگر اولاد نرینہ ہوئی تو البتہ اسکی خوش قسمتی ہوگی ؎

لیکن عرب نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب ہیلین قافلے کے ساتھ آگے نہیں جائے گی۔ اُس کو قافلے کے ساتھ دُور دراز ملکوں میں لے جانا مناسب نہ تھا ؎

ہیلین سمندر کے کنارے ایک چھوٹے سے مکان میں رہنے لگی۔ عرب نے اس کی خدمت گذاری کے لئے دو حبشنیں چھوڑ دی تھیں، کیونکہ وہ خود ایک سال سے پیشتر واپس نہیں آسکتا تھا اور ایسی صورت میں ہیلین کو اکیلا چھوڑنا ممکن نہ تھا۔ غریب ہیلین کو صبر کے سوا چارہ ہی کیا تھا، وہ اپنے محبوب سے جدا ہو گئی۔ مگر اُسکی تمام امیدیں اب ہونیوالے بچے کیساتھ وابستہ ہو گئیں، جو ایکدن بڑا ہو کر عربوں کا سردار بنے گا ؎

آٹھواں باب

ہیلن سکون کی زندگی بسر کر رہی تھی، وہ تنہائی سے نہیں گھبراتی تھی، اُسے شہر میں جانا بھی اچھا نہ لگتا تھا۔ اب وہ رات دن دونوں خادماؤں کے ساتھ بچے کی دیکھ بھال میں منہمک رہتی تھی۔ آخر کار اس کا قلبی اضطراب دُور ہو چکا تھا، اور اب وہ ذہنی اور جسمانی دونوں اعتبار سے نہایت خوش تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اُس کا لڑکا باپ کی طرح مضبوط۔ دراز قد اور بہادر بنے گا۔ وہ یہ ضرور چاہتی تھی کہ اُس کے ماضی کا پتہ بچے کو نہ لگنے پائے۔ بچے کی ولادت سے پہلے اُس کی رُوح کس قدر کثیف رہ چکی تھی یہ وہ خوب جانتی تھی۔ مگر ماں بن جانے کے بعد اس کی تمام غلط کاریوں پر پردہ پڑ چکا تھا، اور اب وہ ایک نئے راستے پر چل رہی تھی۔ اُس کی بچپن کی تربیت اُس کی تمام بداعمالیوں کا موجب تھی۔ اسلئے وہ اپنے لڑکے کو ایسے ماحول سے بچانا چاہتی تھی ؛

ہیلن فرحت کے لمحات میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتی تھی کبھی اُسے یہ تصور بندھتا کہ اس کا عرب شوہر وسطی ایشیا کے میدانوں، اونٹوں کی لمبی قطاروں

والے قافلہ کے ساتھ سفر کر رہا ہوگا اور کبھی اُس کے کانوں میں بدوؤں کے صحرائی گیتوں کی آواز آنے لگتی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ جب اُس کا عرب سردار سفر سے واپس آئے گا تو وہ کیسے کیسے جشن منائے گی؟

جب عرب واپس آئے گا تو وہ پنگوڑے میں سے چھوٹے سے خوبصورت بچے کو نکال کر اُس کی گود میں یہ کہہ کر دے گی:۔

"لو یہ تمہارے جسم کا ٹکڑا ہے —— نہیں بلکہ ہمارے جسم کا"

وہ جواب دے گا "ہاں یہ ہماری سچی محبت کی یادگار ہے۔ خدا کرے یہ ہمارے تعلقات کو ایسا مضبوط کر دے جنھیں موت کے سوا کوئی چیز نہ توڑ سکے"

عرب واپس آگیا۔ ایک دن علی الصباح جب سب سو رہے تھے اُس نے آہستہ سے مکان کا دروازہ کھولا اور صحن میں داخل ہوگیا، اور اُس کمرے میں پہنچا جہاں ہیلن پڑی سو رہی تھی۔ اُس کے پلنگ کے پاس ایک پنگوڑا ہل رہا تھا پنگوڑے میں ایک خوبصورت شیر خوار بچہ پڑا ہوا کھیل رہا تھا ہیلن کی عنبرین زلفیں اُس کے چہرے پر بکھری ہوئی تھیں۔ اب اُس کے بُشرے سے گناہوں کے آثار مٹ چکے تھے۔ عرب اس کے پلنگ کے پاس کھڑا ہوا تھا، اور ہیلن یہ خواب دیکھ رہی تھی کہ اُس کا عرب سردار گھر واپس آگیا ہے اور اُس سے دائمی محبّت کا پیمان باندھ رہا ہے۔ اتنے میں اُس کی آنکھ کھُل گئی۔ وہ جلدی سے اپنے چہرے سے زلفوں کو سمیٹتی ہوئی اٹھی۔ اُس کے لبوں پر ہلکی ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ اُسنے

فخریہ پنگورے کی طرف اشارہ کیا، جہاں اُس کی محبت کا بہترین تحفہ سو رہا تھا۔
مگر ہیلن کی محبت دیرپا نہ تھی، وہ عرب کے واپس آجانے سے بہت خوش تھی، مگر اس کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔
آخر خوف کی وجہ کیا تھی؟ کیا وہ ماں نہ تھی؟ کیا اُس کا شوہر دُور دراز ممالک سے اُس کے لیئے قیمتی تحائف نہ لایا تھا؟ مثلاً چین کے خوبصورت ریشمیں کپڑے، مرصع زیورات اور عمدہ عمدہ بھینی بھینی خوشبوؤں کے عطر ۔۔۔۔۔۔۔
عرب کے دل پر بھی کوئی بات گراں گزر رہی تھی۔ کبھی وہ ایسی حسرت کیساتھ ہیلن کے چہرے کو دیکھتا کہ ہیلن دم بخود رہ جاتی۔ آخر ایک دن عرب نے مہر سکوت توڑی۔ اُس کی آواز سخت اور سنجیدہ تھی:۔
"مجھے جلدی جانا ہے۔ سمرقند اور بخارا لے جانے کا سامان فراہم ہو چکا ہے، سفر لمبا ہے، اور معلوم نہیں کتنا عرصہ لگے، اور پھر میں اپنے قبیلے سے ملنے کے لیئے بھی جاؤں گا۔"
"یقیناً تم مجھے بھی اس مرتبہ اپنے ساتھ لے چلوگے، اور اگر اب بھی مجھے اکیلا رہنا پڑا تو کم از کم میرا بچہ تمہاری جدائی کے زمانے کو گزارنے میں میرا معاون ہوگا۔"
عرب نے پھر فیصلہ کن انداز میں گردن ہلائی۔ ہیلن اس کا مطلب نہیں سمجھی اُس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں، اور چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ اب وہ ایک نیا خطرہ محسوس کر رہی تھی۔

عرب نے مصنوعی بے نیازی سے کام لیتے ہوئے جس میں کوشش کے باوجود رحم اور افسوس کے جذبات پوشیدہ تھے کہا:۔

"میں اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لے جاؤں گا۔"

"کیا میں ساتھ نہیں چل سکتی؟"

"نہیں۔"

"تو پھر آخر بچے کو لے جا کر کیا کرو گے؟"

"میرے خاندان کے لوگ اس کی پرورش کریں گے۔ اس کی تربیت ایک سردار کے بچے کی طرح کی جائے گی۔"

"میں اس کی ماں ہوں کیا میں اُسے تربیت نہیں دے سکتی؟"

عرب اس سوال کا جواب دینے سے ہچکچا رہا تھا۔ یہ ظاہر تھا کہ اُس کے دل میں محبت اور رحم اُس کی خاندانی روایات سے جنگ کر رہے تھے۔ پھر وہ بولا:۔

"میرے بچے کی نشوونما میری نسل کے آدمیوں کے ہاتھوں ہونی چاہیئے۔"

"میں بھی اس کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔ میں اس کے پاس رہوں گی اور اپنے ہاتھوں سے اس کی پرورش کروں گی۔"

"یہ ضروری نہیں میری بہنیں اس کی دیکھ بھال کر لیں گی۔"

"مگر میں اس بچے کی ماں ہوں، اس لئے تمہاری بہنوں سے زیادہ میرا حق ہے۔"

ہیلن کی حاضر جوابی عرب کو برافروختہ کر رہی تھی۔ آخر وہ اس بات کو خود

کیوں نہیں سمجھ سکتی تھی؟ عرب، ہیلن کے قریب آیا اور سختی سے کہا۔
"کیا تم بھول گئیں کہ ہماری ملاقات کن حالات میں اور کس جگہ ہوئی تھی؟"
اب ہیلن کو کارنیج کا وہ قہوہ خانہ یاد آگیا۔ جہاں دن رات میں اُسے اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے بیسیوں مرتبہ عصمت فروشی کرنی پڑتی تھی۔ اسی جگہ اُس کی ملاقات عرب سوداگر سے ہوئی تھی۔ وہ اب عرب کے بچے کی ماں بن گئی تھی، مگر عرب کے دماغ سے ابھی تک وہ باتیں فراموش نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ عرب کو یہاں تک یاد تھا کہ جس رات اُس کی ہیلن سے ملاقات ہوئی تھی اُس رات کو اُسے ہیلن سے ملنے کے لئے کافی انتظار کرنا پڑا تھا، کیونکہ اُس سے پیشتر کئی اور آدمی ہیلن سے سودا کر چکے تھے۔ ایسی عورت کسی طرح اُس کے بچے کی پرورش کرنے کی اہل نہ تھی۔
ہیلن سرنگوں ہوگئی۔ اُس کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اُس نے اتنا کہا۔
"تم اور تم جیسے انسان صورت اور درندہ صفت آدمیوں نے ہی مجھے ایسی ذلیل زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میرے پاک اور معصوم بچپن کو ناپاک اور آلودہ کرنے والا بھی تم جیسا ایک مرد تھا، تم ہی لوگوں کو یہ خواہش تھی کہ میں تمہیں نئے نئے طریقوں سے خوش کرتی رہوں۔ میری بدکاری دیوانہ پن کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ مگر اس کی وجہ تمہاری صنف کی یہ خواہش تھی کہ میرا ضمیر

مردہ ہو جائے تاکہ میں تم لوگوں کی ہوسناکیوں کی تاب لا سکوں"

"مجھے کیا خبر تھی کہ تمہاری عدم موجودگی میں جو میں سہانے خواب دیکھ رہی تھی وہ میری بھول اور بربادی تھی۔ جب میرے سامنے ایک نئی اور پاک و صاف دنیا کا دروازہ کھل رہا تھا، تم نے مجھے گھسیٹ کر پھر جہنم میں میں ڈال دیا، اور اب میری سچی محبت کی اکیلی نشانی کو بھی لیکر فرار ہو جانا چاہتے ہو"

اُس نے مایوسی کے عالم میں عرب سے پوچھا:-

"کیا میں اپنے بچّے کو پھر کبھی نہ دیکھوں گی؟"

"نہیں"

"کیا تم بھی کبھی اپنی صورت نہ دکھاؤ گے؟"

"کبھی نہیں"

عرب نے ہیلن کو الوداع کہا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ہیلن نے بچّے کو چھاتی سے لگا کر پیار کیا، اور پھر دونوں ہاتھوں میں اُٹھا کر اُسے عرب کے سپرد کر دیا۔ اُس کی آنکھیں خشک تھیں۔ وہ جس قدر رو سکتی تھی رو چکی تھی، اب وہ ایک لفظ بھی نہ بولی۔ لیکن جونہی عرب اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہوا وہ دیوانوں کی طرح بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی اور پلنگ پر گر پڑی۔

ہیلن نے ملازموں کو برخاست کیا۔ مکان کو مقفّل کیا اور کنجی سمندر میں

پھینک دی۔ اُس نے عرب کے قیمتی تحائف میں سے ایک چیز بھی ساتھ نہ لی۔ اسکی زندگی کا تیسرا دور ختم ہو چکا تھا۔

اُس نے عرب کا دیا ہوا روپیہ بھی ساتھ نہیں لیا۔ آخر وہ کیوں لیتی؟ کیا اُسے روپیہ کمانے کا طریقہ یاد نہ تھا؟ قسمت نے اُسے پھر اُسی ذلت اور بدنامی کے بھنور میں ڈال دیا جس سے بچنے کی وہ دو بار ناکام کوشش کر چکی تھی۔

ہیلن سمندر کے کنارے کھڑی ہوئی، موجوں کے اُتار چڑھاؤ کو دیکھ رہی تھی۔ اُس کی زندگی کے تمام واقعات یکے بعد دیگرے اُس کے سامنے آ رہے تھے۔

پھر یکایک گویا وہ خواب سے بیدار ہو گئی اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ ایک گہرے غار میں گر رہی ہے۔ جس شخص سے اُس نے محبت کا پیمان باندھا تھا، وہ ہمیشہ کے لئے اُس کے معصوم بچے کو لیکر ریت کے بادلوں میں غائب ہو چکا تھا۔

اُس نے آہستہ آہستہ سمندر کے کنارے چلنا شروع کیا۔ راستے میں جو لوگ اُسے ملے وہ حیرت سے اُس کا منہ دیکھتے تھے۔ اُس کے حسین چہرے پر یاس برس رہی تھی اور مستقبل کی بدکاریاں اور ہوسناکیاں دوبارہ اُس کی پیشانی میں تڑپ رہی تھیں۔

وہ سیدھی چلی جا رہی تھی۔ اُسے نہ تکان کی پرواہ تھی نہ بھوک کا احساس۔ اُسکا کوئی مونس تھا نہ ہمدرد۔ اب وہ اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر چکی تھی۔ وہ شہر کے قریب آ گئی۔ بازاروں کی آوازیں اور گھوڑوں اور خچروں کی ٹاپیں اُسے صاف

سنائی دے رہی تھیں ؛

ایک خونخوار شیرنی کی طرح اُس نے اپنے سر کو پیچھے کی طرف حرکت دی، اب اُس کا ماضی مٹ چکا تھا، اور ماضی کی صعوبتیں اور مسرتیں بھی اب فراموش ہو چکی تھیں ؛

ہیلن اب پھر نئی زندگی شروع کرنے کو تیار تھی ؛

نواں باب

عرب سے جدا ہونے کے بعد ہیلن پر کیا گذری، ہمیں اُس کی تفصیل معلوم نہیں۔ البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ شمالی افریقہ اور ایشیائے کوچک کے اکثر چکلوں میں اُسنے کافی وقت گذارا ؛

بچّے سے بچھڑنے، اپنے محبوب سے جدا ہونے اور پھر وہی خراب خستہ زندگی بسر کرنے کا ہیلن کو سخت ملال تھا۔ زندگی میں اب اُس کے لئے حقیقتاً کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی۔ جب وہ اپنے "کاروبار" کی زیادتی سے نڈھال ہوتی تو اکثر موت کی تمنا کیا کرتی تھی۔ موت شاید بھی اسی ذلیل پیشے کے ذریعے آسکتی تھی۔ اب وہ رنج اور خوشی دونوں سے بے نیاز ہو چکی تھی اور افلاس اور امیری دونوں کا ذائقہ چکھ چکی تھی۔ ذلّت اور عزّت اس کے لئے بے معنی لفظ ہو کر رہ گئے تھے۔ اب وہ نیکی کے راستے سے پھر بھٹک چکی تھی۔ اُس کے دل میں صرف ایک جذبہ باقی تھا۔ وہ "ماں" یا "بیوی" بننے کے خیال سے بھی متنفر ہو گئی تھی۔ وہ اپنے "پیشے" کی صعوبتوں میں اتنا کھو جانا چاہتی تھی کہ اُس کا درد اُس کی دوا بن جائے۔ اب وہ آنے والے حوادث کا بےچینی سے انتظار

کر رہی تھی ؛

ہیلن کسی بڑے شہر میں جاکر بڑی آسانی سے دوبارہ عزت، شہرت، دولت سب کچھ حاصل کر سکتی تھی۔ مگر خودکشی کے جذبات مانع ہوئے، اور پھر ہیلن کو ایک چکلے کا منہ دیکھنا پڑا۔ اُس کے دماغ پر وہ مجنونانہ کیفیت طاری ہو گئی تھی جو خودکشی میں ناکامی کے بعد اکثر پیدا ہو جاتی ہے ؛

جس چکلے میں ہیلن داخل ہوئی اُس کی مالکہ ہیلن سے بہت خوش تھی۔ اُس نے ہیلن کا نام بھی دریافت کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اُس نے ہیلن کو اپنے تمام گاہکوں سے روشناس کرا دیا، اور تھوڑے ہی دنوں میں ہیلن کافی مشہور ہو گئی۔ اُس کے "گاہک" اُس سے اتنے خوش تھے کہ ان میں سے بعض اُس سے شادی کر لینی چاہتے تھے، اور بعض چکلے میں سے نکال کر اُسے اپنی داشتہ بنانا چاہتے تھے، مگر ہیلن مردوں کے ہتھکنڈوں سے کافی واقف ہو چکی تھی، اب وہ ان چالوں میں آنے والی نہ تھی ؛

ہر شخص ہیلن سے "ملنے" کا متمنی تھا۔ چکلے کی اور لڑکیاں اُس کے مقابلہ میں ہیچ تھیں۔ ہیلن اپنی نادار ہم پیشہ سہیلیوں کے ساتھ بھی مہربانی اور سخاوت سے پیش آتی تھی۔ اُس کی مزدوری میں اُن کا بھی ساجھا ہوتا تھا۔ چکلے کی مالکہ ہیلن کی بدولت خاصی مالدار بن گئی تھی، اور ہیلن کو اپنی بیٹی کی طرح سمجھتی تھی ؛

ہیلن کو اب اتنا وقت ہی نہ ملتا تھا کہ وہ اپنی گری ہوئی حالت پر غور

کرے۔ وہ حسین رقاصہ جس کی انگلی کے اشارے پر بزنطین کا بڑے سے بڑا آدمی اپنی جان تک نثار کرنے میں دریغ نہ کرتا تھا، آج ایسی مذموم زندگی بسر کر رہی تھی۔ مگر اُس کو اب ان باتوں کی پرواہ نہ تھی۔ اس کے لئے ماضی، حال اور مستقبل سب مٹ چکے تھے ؛

ہیلین کی عرب سے ایک قہوہ خانے میں ملاقات ہوئی تھی۔ کیا عجب تھا کہ ایک دن کسی شہزادے سے بھی اسی طرح واسطہ پڑ جائے، اور وہ اُس کے دام محبت میں گرفتار ہو جائے۔ شاید اسی لئے قسمت نے پھر اُسے ایسی ذلیل زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر سر دست ہیلین کو کسی شہزادے سے نہیں بلکہ ایک فوجی سارجنٹ سے واسطہ پڑا۔ سارجنٹ ہیلین پر فریفتہ ہو گیا، اُس نے بڑی رقم دے کر ہیلین کو چکلے سے چھٹکارا دلایا، اور اپنے ساتھ اسکندریہ لے گیا۔ ہیلین رضا بہ تقدیر اُس کے ساتھ چلی گئی ؛

جب ہیلین نے سارجنٹ کے ساتھ مصر میں قدم رکھا تو پھر اُس کی بشاشت عود کر آئی۔ اب وہ پھر پھول کی طرح شگفتہ رہنے لگی۔ سارجنٹ ہیلین کی اس تبدیلی پر بہت خوش تھا۔ شاید ہیلین اس سے محبت کرنے لگی تھی ؛

مگر اُس کا یہ خیال غلط تھا، اب ہیلین کسی ہیکل یا کسی عرب سردار کی داشتہ بننے کو تیار نہ تھی۔ اُس کے دل میں پھر نئی "فتوحات" حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ مگر اسکندریہ میں اُس کے لئے کافی موقع نہ تھا ؛

ہیلن بہت سے تھیٹروں کے مینجروں کے پاس ملنے گئی۔ مگر اُنھوں نے اُسے منہ تک نہیں لگایا، کیونکہ اُس کی آواز اس قابل نہ تھی کہ اُسے کورس میں شامل کیا جاتا۔ رہا ناچ، تو یونان، ایران، اور ہندوستان کی اس قدر کم عمر اور حسین لڑکیاں اسکندریہ میں موجود تھیں کہ ہیلن اُن کے آگے پانی بھرتی تھی۔

ہیلن، سارجنٹ کو خیرباد کہہ چکی تھی اور اُسے روزگار کی تلاش تھی لیکن ملازمت کے امکانات بہت کم تھے۔ اسکندریہ آرٹ اور عیّاشی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ بزنطین کی مصر کے آگے کوئی حقیقت نہ تھی۔ مصر دولت کا گہوارہ تھا۔ اس لئے اُس نے فیصلہ کر لیا کہ خواہ کتنی ہی مصیبت اُٹھانی پڑے وہ مصریوں کو اپنا غلام بنا کر ہی دم لے گی۔ مگر اسکندریہ میں اُس کی کوششوں کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ کیوں؟ کیا وہ اتنی معمر ہو گئی تھی؟ کیا اُسکی خوبصورتی فنا ہو چکی تھی؟

ہیلن ان سوالوں کا جواب آئینے سے طلب کرتی، مگر اُسے اپنے جسم میں یا اپنے چہرے میں کہیں بڑھاپے کے آثار نظر نہ آتے تھے۔ آئینہ اُسے یقین دلاتا تھا کہ اُس کا حُسن ابھی تک ویسا ہی دلفریب ہے۔ اُس کی انتہائی آزادی اور تعیّش پسندی کی وجہ سے اُس کے چہرے پر کچھ خفیف سے نشانات پڑ گئے تھے جن کو وہ پوڈر اور غازہ کی مدد سے چھپا سکتی تھی۔ اُس کا جسم اب بھی گٹھا ہوا اور سڈول تھا جس میں ابھی تک لڑکپن کے آثار خوابیدہ تھے۔ وہ

یقیناً اب بھی مردوں کو اپنا غلام بنا سکتی تھی، کیونکہ اس عرصے میں اُس نے وہ تجربات حاصل کر لیے تھے جو مردوں کو زن مرید بنا دیتے ہیں۔

مگر بدقسمتی سے اس زمانے میں اسکندریہ میں اتنی ناچنے والی لڑکیاں موجود تھیں کہ ہیلین کی پرستش مشکل نظر آتی تھی۔ یونانی حُسن کی دیویاں۔ کوہ قاف کی پریاں۔ سڈول جسم والی جرمن عورتیں۔ سُنہرے رنگ والی مصری لڑکیاں۔ یہ سب وہاں موجود تھیں۔ اس لیے ہر شخص اپنے مذاق کے مطابق انتخاب کر سکتا تھا۔ کیونکہ بردہ فروشی اُس وقت مصر کی سب سے بڑی تجارت تھی۔ اس لیے اسکندریہ حسین عورتوں کی منڈی بنا ہوا تھا۔

جب سے اسکندرِ اعظم نے اس شہر کی بنیاد ڈالی تھی، اور اسے اپنے نام سے منسوب کیا تھا، مصر کے ہر فرمانروا نے اسکندریہ کی شان و شوکت کو دوبالا کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔ چنانچہ اسکندریہ اس زمانے میں مشرق اور مغرب کے مابین تجارت کی ایک بڑی منڈی بن گیا تھا، اور عورت اس شہر کی تجارت کا سب سے بڑا جزو تھی۔ اس شہر نے یونانیوں سے خوبصورتی کا معیار سیکھا، اور رومیوں نے اسے نظامِ زندگی بتایا تھا۔

بندرگاہ کے دروازے پر ایک پیتل کا گھنٹہ لٹک رہا تھا، جب وہ رات کے دس بجاتا تو اسکندریہ کے تمام آدمی عیش و عشرت میں رات بسر کرنے کیلئے گھروں سے باہر نکل پڑتے۔ بڑے بڑے باغوں کے دروازے کھول دیے جاتے

جہاں حسین عورتیں باریک سے باریک اور کم سے کم لباس پہن کر ہر راہگذر کو دعوتِ حُسن دیتی تھیں۔ کہیں محفلِ عیش و نشاط منعقد ہوتی تو کہیں سہانے گیتوں کے ساتھ ساتھ چھیڑ چھاڑ اور قہقہوں کی آوازیں بلند ہوتی تھیں اور سارے تھئیٹر کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے ؛

غرض یہ سماں ساری رات رہتا تھا۔ اسکندریہ میں جہاں لہو ولعب کا ہر سامان موجود تھا، وہاں اعلیٰ اور ادنیٰ درجے کے مذاق کے آدمی بھی پائے جاتے تھے۔ شائستہ اور مہذب آدمیوں کے علاوہ وحشی درندے بھی کچھ کم نہ تھے، کیونکہ اسکندریہ وہ شہر تھا جہاں ہر جہاز لنگر ڈالا کرتا تھا ؛

اسکندریہ جیسے عظیم الشان شہر میں اکا دکا عورت بہت جلد تباہ ہو جاتی تھی۔ ہر چیز اُس کی بربادی میں کوشاں نظر آتی تھی۔ حریص مرد شراب کے نشے میں چُور ہو کر اسکندریہ کی سڑکوں پر سانڈوں کی طرح پھرا کرتے تھے ؛

ہیلن نے اسکندریہ کی زندگی اختیار کر لی۔ ماہتابی راتوں میں روز کسی نہ کسی کے ہاں مہمان رہنے لگی۔ جب سرد بازاری ہوئی تو وہ ایک چکلے میں داخل ہو گئی، جہاں وہ دن میں بیسیوں مرتبہ "فروخت" ہونے لگی ؛

ہیلن اس بھیانک زندگی سے متنفر تھی۔ مگر اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا؟ بعض اوقات وہ اتنی دل گرفتہ ہوتی تھی کہ "گاہک" ناراض ہو کر چلے جاتے تھے ؛

ہیلن کے دل میں یکایک کسی ایسی عظیم الشان ہستی کے وجود کا احساس

ہونا شروع ہوا، جسے وہ اب تک اتفاق اور قسمت کے نام سے یاد کرتی تھی ہیلن کے نزدیک مذہب کوئی چیز نہ تھا۔ اسکندریہ کی زندگی بھی عیاشی کی زندگی تھی ٭

اسکندریہ میں یورپ، ایشیا اور افریقہ تین بر اعظموں کی دولت سمٹ کر آ رہی تھی۔ مال و دولت کی افراط یہی کچھ کیا کرتی ہے جو اسکندریہ میں ہو رہا تھا ٭

مگر اب اسکندریہ کے چاروں طرف ایک مذہبی لہر دوڑنی شروع ہوئی۔ مصر کے عبادت خانے جو اب تک سُونے پڑے تھے پھر آباد ہو گئے۔ لوگ جُوق در جُوق معبدوں میں جانے لگے۔ مذہبی پیشوا پھر عزّت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے، مصر کی بے حیا اور بدکار عورتیں تائب ہو گئیں۔ بدکار مردوں کی کوڑوں سے خبر لی جاتی تھی۔ شراب خانے بند ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مصر کی زمین اور آسمان دونوں بدل چکے ہیں ٭

مگر اسکندریہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ اگر کوئی بڈھا مذہبی پیشوا اسکندریہ میں جا نکلتا اور لوگوں کو خدا کے غضب سے ڈراتا تو اُس کا مذاق اُڑایا جاتا، اور پتھر مار کر اُسے شہر میں سے باہر نکال دیا جاتا تھا۔ جو لوگ پند و نصائح سے متاثر نظر آتے اُن کا بھی مذاق اُڑایا جاتا ٭

لیکن ہیلن کے دل میں عقیدت پیدا ہو گئی تھی، ایک دن شام کو وہ عبادت خانے میں گئی۔ اندھیرا ہو چکا تھا۔ معبد میں کافوری شمعیں روشن تھیں۔ عود اور عنبر کی مہک سے سارا مندر مہک رہا تھا۔ وہ مودّبانہ کھڑی ہو گئی۔ اُسے ایسا معلوم ہوا

گویا معبد میں الہامی آوازیں آ رہی ہیں اور اسکندریہ والوں کو اُس عقوبت سے متنبہ کر رہی ہیں جو عذابِ الٰہی کی شکل میں اُن کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ معبد میں جتنے آدمی جمع تھے سب دو زانو ہو گئے، جیسے کسی مہیب ہستی نے اُن کو کوڑے مار کر جھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایک پادری جو بزرگی اور علم و فضل کے اعتبار سے سب پادریوں میں ممتاز تھا حاضرین کو وعظ دے رہا تھا۔ وہ ان کو خدا کا راستہ دکھانا چاہتا تھا۔ حکم عدولی کی صورت میں وہ ان کو دوزخ کے عذاب سے ڈرا رہا تھا جو ملحدوں کے واسطے منہ کھولے انتظار کر رہی ہے ؛

وہ دنیا کی بے ثباتی کا حال سنا رہا تھا اور یہ بتا رہا تھا کہ جس حسین جسم پر آج ناز کر رہے ہو کل وہ موت کے شکنجے میں چکنا چور ہو جائے گا۔ موت کا چنگل اسقدر مہیب ہے کہ اُس سے کوئی نجات نہیں دلا سکتا۔ پادری اُن لوگوں کی تحقیر کر رہا تھا جن کے نزدیک دنیا ہی سب کچھ ہے۔ وہ اُن کو دوسری دنیا کی بشارت دے رہا تھا جہاں نہ حرص ہوگی نہ خود غرضی، نہ جسم ہوگا نہ ہوس رانیاں۔ پھر اُس نے اپنی ہتھیلی پر مُردے کی ایک کھوپری رکھی جس کے حسن و جمال کو موت برباد کر چکی تھی۔ وہ کبھی کسی زمانے میں کسی حسین مرد یا عورت کے جسم کی زینت تھی۔ شاید اُسے کبھی زندگی میں یہ خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ ایک دن اُس کے بوسیدہ استخوان ریزہ ریزہ ہو کر ہوا کے جھونکوں سے منتشر ہو جائیں گے۔ آخر اُس نے اپنی دوسری زندگی کے واسطے کیا سرمایہ جمع کیا تھا۔؟ گناہوں کا ایک بوجھ!

ہیلن آگے کی صف میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس کی نظر کھوپری کے ان دو گڑھوں پر پڑی، جہاں کبھی دو چمکدار آنکھوں میں سے زندگی اور محبت کی شعاعیں نکلا کرتی ہونگی۔ پھر اُس کو وہ بھیانک گوشت و پوست کندہ جبڑے دکھائی دیے جو کبھی کسی حسین کے عارضِ گلگوں ہوں گے۔ جبڑوں کے بعد اُس کی نظر چھوٹے چھوٹے سفید دانتوں کی قطار پر پڑی جو زبانِ حال سے یہ کہہ رہی تھی کہ "میں ایک نوجوان حسینہ کی یادگار ہوں"۔ آج اُس کے ہونٹوں کا نشان تک نہ تھا۔ وہ ہونٹ جن کا بوسہ لینے کے لئے عشاق جان کی بازی لگایا کرتے تھے آج فنا ہو چکے تھے اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچ باقی تھا۔ کیا کوئی شخص اب بھی اس کھوپری سے محبت کر سکتا تھا؟

ہیلن کو یہ محسوس ہوا کہ شاید اس کی زندگی ایک عظیم الشان دھوکہ تھی، اُس نے واعظ کو یہ کہتے سنا کہ توبہ کے دروازے ہر وقت کھلے ہوئے ہیں اور گناہگار ہر وقت سچے دل سے توبہ کر سکتا ہے۔

وعظ ختم ہو گیا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ واعظ خدا سے گنہگار بندوں کے حق میں دعا کر رہا تھا جب وہ فارغ ہوا تو ہیلن آگے بڑھی، اور پجاری کا دامن چُوم لیا۔ وہ ساکت کھڑی تھی لیکن اُس کی آنکھیں اس کے دل کا حال بتا رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ یہ ایک گنہگار کی نشانی ہے۔ مگر کیسا خوش قسمت ہے وہ گنہگار جو اپنے گناہوں پر پشیمان ہو جائے۔

واعظ نے اُس کے سر پہ ہاتھ رکھا اور اُس کو دعا دی۔ پادری ہیلن کو اپنے ساتھ ایک ضعیفہ کے پاس لے گیا۔ ضعیفہ نے ایک نیک دل ماں کی طرح پیار کرکے اُسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

ہیلن تائب ہو گئی!

دسواں باب

آج ہیلن اپنی نئی حالت پر بہت خوش تھی۔ عمر میں پہلی مرتبہ اس کے گرد پیش جو آدمی جمع تھے وہ اُسے للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھ رہے تھے۔ اُسے بہت خوشی ہوئی، جب اُس نے دیکھا کہ اُس کی رُوح نجس اور غلیظ ماحول سے نکل کر ایک سیدھے اور صاف راستے پر چلنے کا بیتابی سے انتظار کر رہی ہے۔

اگر بزنطین کے لوگوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ ہیلن ثقہ بن رہی ہے تو اُن کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ اگر وہ کہیں اُسے سیدھے سادے گاؤن[1] میں منہ پر سیاہ نقاب ڈالے سڑکوں پر چلتے پھرتے دیکھتے تو شاید پہچان بھی نہ سکتے۔

ہیلن صرف عیّاش ہی نہ تھی، اس کے پاس دماغ بھی تھا اور وہ اُسے استعمال کرنا بھی جانتی تھی۔ اُس کے پاس دل تھا اور دل میں جذبات بھی تھے، وہ بھی دوسری عورتوں کی طرح سکون اور اطمینان کی زندگی بسر کرنا چاہتی تھی، اگر اُسے غلط راستے پر نہ ڈال دیا جاتا تو وہ ایک وفادار بیوی بن سکتی تھی۔

ہیلن کا زاویۂ نگاہ اب بالکل بدل چکا تھا۔ خدا رسیدہ آدمیوں کا ضحکہ

---

[1] Gown

اُڑا نا گناہ تھا۔ جن لوگوں سے اُسے اب واسطہ پڑا تھا وہ نہ اُس کی خوبصورتی کی تعریفوں کے پُل باندھتے تھے اور نہ اُس کے حُسن کو شاعری کا مرکز سمجھتے تھے، ان کے نزدیک وہ بھی ایک معمولی گناہگار انسان تھی۔ ہیلن اُن کے ساتھ سنجیدہ مضامین پر تبادلہ خیال کیا کرتی تھی۔ یہ مذہبی جماعت اسے عیاشی کا کھلونا نہیں سمجھتی تھی۔ اب تک ہوسناک مردوں نے اُس پر حقِ ملکیت قائم کرکے اُسے جا بیجا استعمال کیا تھا۔ مگر آج وہ ان مصائب سے آزاد تھی ؛

اب ہیلن اپنے آپ کو قابلِ احترام ہستی سمجھنے لگی تھی اور یہ اُس کے لئے ایک نیا احساس تھا۔ حُسن، دولت، زروجواہر، قیمتی شرابیں جو عیاشی کا جزو لاینفک سمجھی جاتی تھیں۔ وہ سب نئے مذہبی گروہ کی نظروں میں ہیچ تھیں۔ اس کے برعکس علم فضل، سخاوت، نیکی، مذہبی معلومات، نفس کو قابو میں رکھنا وغیرہ یہ تمام باتیں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں ؛

عصمت اور حرمت کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ عصمت کی قدر ہیلن کی نگاہ میں اس لئے اور بھی بڑھ گئی تھی کہ وہ ایک عرصے تک مردوں کی ہوسناکیوں کا شکار بن چکی تھی، جن سے اب اُسے قلبی نفرت ہوگئی۔ اُس کا جسم جو طوفانی تیزی سے ساتھ عیاشی کی جولانگاہ رہ چکا تھا اب آرام کا متمنی تھا مختصر یہ کہ ہیلن کی رُوح اور جسم دونوں مردوں کی دیوانہ خواہشات کو پورا کرتے کرتے تھک گئے تھے اور اب سکون کے طلبگار رہتے ؛

یہاں سے ہیلن کی زندگی کے حالات پھر ناپید ہو جاتے ہیں اور ہمیں صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران میں وہ یونانی فلسفے کا گہرا مطالعہ کر رہی تھی اور اسی شوق میں وہ اسکندریہ سے ایتھنز روانہ ہو گئی۔

گیارھواں باب

جب ہیلن ، ایتھنز پہنچی تو اُسے معلوم ہوا کہ قدیم یونانی فلسفے کی تمام روایات مٹ چکی تھیں۔ افلاطون اور ارسطو کے مدرسے بند ہو چکے تھے۔ اُن کے بت توڑ کر پھینک دیے گئے تھے۔ اب اگر کوئی لا مذہبی کی باتیں کرتا تو اُسے زندہ جلا دیا جاتا تھا۔

یہ وہ شہر تھا جس نے انسانی عقل و فہم کو علم و فضل کا بہترین خزانہ بخشا تھا۔ مندر سُونے پڑے تھے، مگر افلاطون کی روح اب بھی ان کھنڈرات میں بھٹکتی پھرتی تھی۔ ایتھنز اب قدیم زمانے کا ایتھنز نہ تھا، مگر اس برباد شدہ حالت میں بھی اس کی قدیم عظمت لوگوں کو سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیتی تھی۔ شب کی تاریکی میں معتقد ہاتھ اُس چبوترے پر جہاں کسی زمانے میں اپولو کا مجسمہ کھڑا ہوا تھا شہد اور شراب کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے اپولو کا بُت برباد ہو چکا تھا، مگر اُس کی روح اب بھی وہاں موجود تھی ۔۔۔ باقی ماندہ بڈھے آدمیوں کے ساتھ ایتھنز کا پُرانا مذہب بھی ختم ہو رہا تھا، ایتھنز کے اولمپک کھیل بند ہو گئے تھے اور الہامی پیغامات کا سلسلہ بھی منقطع ہو چکا تھا۔ مقدس جھاڑیوں کا ارتعاش جس سے لوگ مستقبل کے حالات

کا پتہ لگاتے تھے بند ہو گیا تھا۔ مندروں کی چوکھٹوں پر گھاس اُگی ہوئی تھی جس میں چھپکلیوں اور گرگٹوں نے گھر بنائے تھے۔ اب یہ مندر بھی گرجاؤں میں تبدیل کئے جا رہے تھے ؛

ایتھنز کی شان و شوکت فنا ہو چکی تھی۔ اُس کا شاہی وقار مٹ گیا تھا لیکن ہیلن کے لئے اس میں اب بھی کشش موجود تھی جو اُس کے مذہبی شبہات اور اعتراضات کا جواب دینے کو کافی تھی۔ وہ جس حق کی تلاش میں تھی وہ حق یہاں موجود تھا۔ جس حق نے ادراک، دلیل اور خوبصورتی تینوں کے ساتھ مل کر ایتھنز کے باشندوں کو صدہا سال درس دیا تھا وہ اُن کے دلوں سے مٹ کر شکستہ مندروں میں جلوہ افروز ہو گیا تھا۔ ایتھنز کی دیویوں کے مجسّمے چکنا چُور کر دیئے گئے تھے اور اُن کے مندر کھنڈر بن چکے تھے۔ مگر وہ اب بھی زندہ تھیں ؛

ہیلن کو اب کس چیز کی تلاش تھی؟ کیا ہر عقدۂ کا حل وہاں موجود نہ تھا؟

ہیلن اپنی نئی زندگی میں نیا لطف محسوس کر رہی تھی۔ اب وہ فقط نیک آدمیوں کی صحبت میں رہتی تھی۔ اگر بُرائی کا تصور نیک عورت کے دل میں بُرے وسوسے پیدا کر سکتا ہے۔ تو ایک بدکار عورت بھی نیکی کو سکون کی آماجگاہ سمجھ کر پناہ لے سکتی ہے۔ جن لوگوں سے ہیلن کو اب واسطہ پڑا تھا وہ اُس کے حُسن سے متاثر نہ ہوتے تھے۔ اس لئے یہ دَور ہیلن کے لئے ایک لمبے سکون کا دَور ثابت ہوا۔ جیسے ایک پاکباز عورت نیک زندگی کی قیود سے اُکتا کر تھوڑی سی لغزش کو روا

سمجھنے لگتی ہے اُسی طرح ہیلن اب پاکبازی میں مسرت محسوس کر رہی تھی ۔

لیکن بالآخر وہ اس پاکبازی سے اُکتا گئی۔ آخر کیوں جسم کو رُوح کا غلام بنایا جائے؟ جسم کو بھی آسائش کا حق حاصل ہے۔ پھر کیا کوئی صورت ایسی نہ تھی کہ مذہب سے بیگانہ ہوئے بغیر اس کی صنفی اور جذباتی دنیا بھی آباد رہ سکے؟

ہیلن کے ان سوالوں کے جوابات یونانی فلسفے میں موجود تھے۔ اسے یونانی فلسفے کے مطالعے سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یونانی حکما ہر بات میں توازن قائم رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ یونانی فلاسفر دونوں صنفوں کے خوبصورت نوجوانوں کو اپنی صحبت میں رکھا کرتے تھے ۔

خود سقراط اپنی عیّار بیوی سے اتنا تنگ آ گیا تھا کہ جب کبھی اُسے موقع ملتا تھا تو کسی حسین دوشیزہ کے ساتھ چند رنگین لمحات بسر کرنے کو غنیمت سمجھتا تھا ۔

ہیلن کو یہی جواب درکار تھا ۔

ہیلن نے ایتھنز سے ایک نیا سبق سیکھا تھا جو دراصل یونانی فلسفے کا لُبِ لباب تھا ——— اعتدال

بارھواں باب

ہیلن کو اینٹیوک میں پہنچکر ایک رفیقہ مل گئی۔ اس کا نام میسی ڈونیا تھا۔ میسی ڈونیا بہت ہوشیار تھی۔ یہ عرصے سے پیشہ کمارہی تھی اور خاصی دولت اور نام پیدا کرچکی تھی۔ اس کی جوانی ڈھل گئی تھی مگر بعدی ہوجانے کے باوجود مشرقی آدمیوں کے عین مذاق کے مطابق تھی:۔

ہیلن نے میسی ڈونیا کے ساتھ مل کر "کام" شروع کردیا۔ وہ حالات کے مطابق کام کرنا خوب جانتی تھی۔ عرصے تک فلسفے اور مذہبیات پر گفتگو کرتے کرتے اتنی اُکتا گئی تھی کہ کسی خوشگوار تبدیلی کی اشد ضرورت محسوس کررہی تھی۔ یہ تبدیلی اُس کے پُرانے پیشے سے بہتر اور کیا ہوسکتی تھی؟ اس لئے وہ اپنا مختصر سامان لیکر میسی ڈونیا کے پاس چلی گئی:۔

میسی ڈونیا نے ایک چھوٹا سا کمرہ کرایہ پرلے رکھا تھا۔ ہیلن کے مذہبی تعلقات ابھی تک باقی تھے، وہ مذہبی آدمیوں سے برابر ملتی رہتی تھی۔ میسی ڈونیا کے لئے ہیلن کی زندگی ایک معمہ تھا۔ وہ کسی طرح یہ بات نہیں سمجھ سکتی تھی کہ مذہبی

گرم جوشی کے ساتھ ساتھ محبت کی دنیا بھی آباد رہ سکتی ہے۔ مگر ہیلین، اعتدال کا
کا سبق ایتھنز کے مقدس دیوتاؤں کی روحوں سے سیکھ چکی تھی۔

انسٹیٹیوٹ میں ہیلین کے لئے ایک نئی دقت پیدا ہو گئی۔ ملک کے قانون
کے مطابق اُسے اپنا نام، پتہ اور گذشتہ زندگی کی تفصیلات بتانی لازمی تھیں جب
اُسے "تجارت" کرنے کی سند مل سکتی تھی۔ مگر ہیلین کی مصلحت اسی میں تھی کہ وہ گمنامی
کی زندگی بسر کرے۔ اس لئے اُسے اپنی مشکلات کا ذکر میسی ڈونیا سے کرنا پڑا۔

میسی ڈونیا اُسکی ساری رام کہانی سن کر بولی:۔

"تم اس بے حیا زندگی کے لئے نہیں بنائی گئی ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ تم نے
یہ ذلیل پیشہ اختیار کیا۔ مگر تم پریشان نہ ہو۔ میں تمہارے حالات معلوم کرنا نہیں
چاہتی۔ لیکن اگر تم میری بات ماننے کو تیار ہو تو میں تمھیں یہ مشورہ دوں گی کہ تم
اس پیشہ کو ترک کر دو اور اپنے گھر واپس چلی جاؤ اور وہاں جا کر شادی کر لو۔
تم خفا نہ ہو۔ میں تم کو یہ مشورہ اس لئے دے رہی ہوں کہ اب تمہارے چہرے
پر تھکن کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں۔ تم اب پہلی جیسی جوان نہیں ہو۔ اِس وقت
تمہاری کیا عمر ہو گی؟"

ہیلین نے جواب دیا "اٹھائیس سال"

"اور کتنے عرصے تم ———— غالباً تم میرا مطلب سمجھ گئی ہو گی"
"میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتی۔ جہاں تک میری یاد کام دیتی ہے میں

یہی کام کرتی رہی ہوں۔"

"تمہارے لئے بھی اب وہ زمانہ عنقریب آنے والا ہے جو ہم سب کے لئے ایک دن آتا ہے۔ جب تمہاری عمر زیادہ ہو جائے گی تو تم اس مشغلہ سے بیزار ہو جاؤ گی اور پھر تمہیں افسوس ہوگا کہ تم نے میری صلاح نہ مانی۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ تم جلدی شادی کر ڈالو۔"

"لیکن آخر میں کس سے شادی کروں؟ کسی قصائی یا رنگریز سے؟ ان کے علاوہ اور کون مجھ سے شادی کرنے کو تیار ہوگا؟"

"تم کسی بڑے آدمی سے شادی کر سکتی ہو۔ تمہیں اپنی پچھلی زندگی کے سارے حالات بتانے کی ضرورت نہیں۔ تم عقلمند ہو، اور دنیا کا کافی تجربہ رکھتی ہو۔ فلسفے اور شاعری سے بھی واقف ہو۔ تم کو کسی دستکار سے شادی کر کے اپنی زندگی خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلند نظر بنو۔ کسی رئیس، کسی جرنیل یا کسی بڑے آدمی سے شادی کرو۔"

"کسی بادشاہ سے نہیں؟" ہیلن نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"تم میری بات کا مذاق اڑا رہی ہو؟ مگر تم بادشاہ سے بھی شادی کر سکتی ہو! آخر تم میں کس بات کی کمی ہے؟ تم حسین ہو اور فلسفے اور شاعری پر کافی عبور رکھتی ہو۔ اگر ضرورت پڑے تو تم ان دونوں مسئلوں پر سلیقے سے گفتگو کر سکتی ہو۔ ان اوصاف کے باوجود تم نے کسی بڑے آدمی سے شادی نہیں کی تو یہ تمہاری

انتہائی بیوقوفی اور بدقسمتی ہو گی"

"میں شادی نہیں کروں گی" ہیلن نے جواب دیا۔

"تیسی ڈوینا نے پھر کہا "ہر عورت اس لئے شادی نہیں کرتی کہ وہ شادی کرنی چاہتی ہے۔ شوہر ہوتے ہوئے بھی تم نئے دوست بنا سکتی ہو۔ مگر اس پیشہ پر تکیہ کرنا عقلمندی کے خلاف ہے۔ یہاں تمھیں روز ایک نئے آدمی سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہر شخص کی پسند علیحدہ ہوتی ہے۔ لیکن اگر شوہر موجود نہ ہو تو۔۔۔۔۔۔۔۔"

"ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو" ہیلن نے جواب دیا "آجتک کسی نے مجھے اتنی ہمدردی سے بات نہیں کی۔ یہ تمہاری مہربانی ہے"

"میں جو کچھ کہہ رہی ہوں تمہارے ہی بھلے کو کہہ رہی ہوں۔ تمہارے چلے جانے سے میرا مالی نقصان ضرور ہوگا۔ مگر اپنے فائدے کے لئے میں تمہارا نقصان نہیں چاہتی۔ تم کہتی تھیں کہ تمہارے عزیز بزنطین میں موجود ہیں، ان کے پاس چلی جاؤ اور شادی کر لو"

گھر کا خیال آتے ہی ہیلن کو ماں اور بہنوں کی یاد ستانے لگی۔ آٹھ برس ہوئے جب وہ ہیکل کے ساتھ جہاز پر سوار ہو کر بزنطین سے بھاگی تھی

ہیلن کو تیسی ڈوینا کی صلاح پسند آگئی۔ اُسے اب بھی اپنے سے محبت تھی

تیرھواں باب

جب ہیلن، بزنطین سے فرار ہوئی تو بہت عرصے تک اُس کے چرچے ہوتے رہے، اُس کا نام بے غیرتی اور بے حیائی کا مترادف سمجھا جاتا تھا۔ لوگ اُس پر ناکردہ گناہوں کے الزامات لگاتے تھے اور وہ عظیمِ شہر یہ سمجھتے تھے کہ ان کے پند و نصائح نے اُس کی کایا پلٹ کر دی ؛

مگر نو برس میں سب اُسے بھول چکے تھے۔ اب اُسے بزنطین واپس آنے میں کوئی اندیشہ نہ تھا۔ اس عرصے میں ہزاروں حسین لڑکیاں ہوسناکیوں کا شکار بن چکی تھیں ؛

جہاز سے اُتر کر جب ہیلن نے بزنطین کے ساحل پر قدم رکھا تو امتحاناً اُس نے چند آدمیوں سے ہیلن کے متعلق سوالات دریافت کئے۔ مگر بندرگاہ میں اُسے کوئی بھی نہ جانتا تھا ہیلن نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ابھی گمنامی کی زندگی کرے گی، اُس نے ایک مکان کرایہ پر لیا اور اُسے مختصر مگر ضروری سامان سے آراستہ کر کے رہنے لگی ؛

ہیلن بازار سے سودا خریدنے جاتی تو منہ پر ایک موٹی سیاہ نقاب ڈال لیتی تھی، اس لئے کسی کو گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ وہی رقاصہ ہے جس نے نو سال پہلے بزنطین میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ وہ نیچی نظریں کئے ہوئے جاتی اور جو لوگ گھور گھور کر اُسے دیکھتے، اُن سے سہمی ہوئی اور سمٹی سمٹائی سڑک کے کنارے ہو کر گزر جاتی ۔

ہیلن کے بزنطین میں واپس آنے کی وجہ کیا تھی ؟

محض ماں یا بہنوں کی محبت اُسے واپس کھینچ کر نہیں لائی۔ وہ جب ماں سے ملنے جاتی تو بڑی احتیاط سے کام لیتی تھی کہ اُسے کوئی دیکھ نہ لے۔ اُس کی بہنیں جو شہر کی مشہور ناچنے والیاں بن چکی تھیں اُن سے وہ الگ الگ رہتی تھی ۔

ہیلن شوہر کی تلاش میں وطن واپس آئی تھی۔ وہ میسی ڈوبینا کی صلاح پر عمل کر رہی تھی۔ وہ اب بھی جاذبِ نظر تھی، اسے وہ اچھی طرح جانتی تھی ۔

ایسی عورت جس کی زندگی کا دارومدار اُس کے حُسن پر ہو اس بات کو اچھی طرح جانتی ہے کہ شباب گیا اور اُس کے چاہنے والوں نے کنارہ کشی اختیار کی ہیلن اب تیس سال کی تھی۔ عیاشی کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں تھے۔ مگر اس کا جسم اب بھی ویسا ہی دلفریب تھا ہیلن کو مزید عیاشی سے اجتناب کرنا اس لئے لازم تھا کہ کہیں اُس کی حالت اُس بوسیدہ تھیلے جیسی نہ ہو جائے جسے کوئی مفت بھی گھر لے جانا پسند نہیں کرتا ہیلن ایک موزوں نوجوان کی تلاش میں تھی۔ پھر مکڑی کی طرح اُسکے گرد جالا تننا مشکل نہ تھا ۔

چودھواں باب

ایک دن شام کو جب ہیلین گرجا سے گھر واپس جا رہی تھی اُس نے دیکھا کہ ایک شخص اُس کا تعاقب کر رہا ہے۔ یہ دیکھکر ہیلین نے اپنی رفتار تیز کر لی۔ اجنبی بھی تیز چلنے لگا۔ یہاں تک کہ ہیلین کا گھر آگیا اور اُس نے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے گھور کر اجنبی کو دیکھا۔

لیکن دوسرے دن شام کو پھر اجنبی اُسی مقام پر موجود تھا۔ اب روزانہ اُسکا معمول ہو گیا کہ جب ہیلین گرجا سے واپس لوٹتی تو وہ اُس کے انتظار میں سڑک پر کھڑا رہتا اور پھر ایک مقررّہ فاصلہ سے اُس کے پیچھے پیچھے گھر تک جاتا۔ ہیلین نے شروع میں اس واقعہ کو اہمیت نہیں دی۔ لیکن جب اجنبی کی موجودگی کو نظر انداز کرنا ناممکن ہو گیا تو اُس نے ایک خدا ترس اور پاکباز عورت کا لب و لہجہ اختیار کر لیا اور اجنبی کو خوب صلواتیں سنائیں۔ مگر دوسرے دن شام کو جب اجنبی پھر ہیلین کے پیچھے اُس کے دروازے تک پہنچا تو اُس نے اور بھی زیادہ سخت سست کہا اور دروازہ بند کر لیا۔ اس کے باوجود دوسرے دن اجنبی پھر وہاں موجود تھا۔ بازار

سے وہ کاندار جو اجنبی کو روز ہیلین کا تعاقب کرتے دیکھا کرتے تھے اب اُس کا مذاق اُڑانے لگے۔ مگر ان باتوں کا اُس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اپنے معمول میں ثابت قدم رہا۔ ہیلین جب اُس کو دیکھکر اپنی رفتار تیز کرتی تو وہ اُس کے پیچھے بھاگتا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا جاتا تھا۔

ایک ہوشیار دوکاندار جس طرح اپنے گاہک کے حلیہ سے اُس کی مالی حالت معلوم کرلیتا ہے اُسی طرح ہیلین نے بھی ایک نظر میں اجنبی کے لباس اور وضع قطع سے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ ضرور کوئی متمول آدمی ہے۔ شکار خود جال میں آن پھنسا تھا۔ صرف مضبوط پھندا لگانے کی دیر تھی، تاکہ اجنبی اس سے قبل از وقت ناجائز فائدہ اُٹھانے کے لئے کشمکش نہ کرے اور اس کشمکش میں کہیں فوری کامیابی سے مایوس ہو کر اُس کے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ ہیلین محبت کی شطرنج کو بہت اچھی طرح کھیلنا جانتی تھی۔

ہیلین نے اب گھر سے باہر نکلنا بند کر دیا۔ وہ بند کھڑکیوں کے شیشوں میں سے اپنے شکار کو باہر تلملاتا دیکھکر خوش ہوتی تھی۔ ایک دن اجنبی ہیلین کے دروازے کے سامنے چوکیداری کے فرائض انجام دینے کے لئے موجود نہ تھا۔ ہیلین ڈری کہ کہیں شکار ہاتھ سے جاتا نہ رہے۔ وہ جانتی تھی کہ مردوں کو امید و بیم میں رکھنے سے خوب کام نکلتا ہے۔ لیکن بالکل نا اُمید کر دینا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ دوسرے دن جب ہیلین نے دیکھا کہ اجنبی پھر دروازے کے سامنے پہرہ دے رہا ہے تو اُس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب اُس نے باہر جانے کا ارادہ کیا اور اس طرح باہر نکلی، گویا

بزدیک ہی کسی دوکاندار سے کچھ سودا خریدنے جارہی تھی۔ یہ طریقہ بہت مؤثر ثابت ہوا۔ اجنبی کے بھی دل کی مراد برآئی۔ وہ اُس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ جب ہیلن نے تمام ضرورت کی چیزیں خریدلیں اور دوکان سے باہر نکلی تو اجنبی سے جو دوکان کے باہر کھڑا ہوا اس کا انتظار کررہا تھا "بے خبری" میں ٹکر ہوگئی، اور ہیلن کے ہاتھ سے سامان چھُوٹ کر سڑک پر گر پڑا۔ اجنبی نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ وہ جلدی سے جھکا اور چیزیں اُٹھالیں۔ اب اجنبی اور ہیلن ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ اجنبی جوان نہیں تھا، مگر مالدار ضرور معلوم ہوتا تھا، اور کچھ ایسا بدشکل بھی نہ تھا۔ البتّہ اُس کے چہرے سے ذہانت کے آثار مفقود تھے۔ وہ ایک گول مول اور ظریفانہ مزاج کا آدمی تھا لیکن بات کا دھنی معلوم ہوتا تھا، ورنہ اتنے دن تک جھڑکیاں اور گھُرکیاں سُننے کے باوجود ہیلن کا پیچھا کیوں کرتا؟

ہیلن جانتی تھی کہ وہ بیوقوف ہے۔ مگر عقل کی کمی کو اُس کی دولت پورا کررہی تھی۔ ایک بیوقوف اور مالدار شوہر! اور ہیلن کو کیا چاہیئے تھا؟

اُس نے اجنبی کو ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ سامان اجنبی کے ہاتھ میں تھا اور وہ بینگن کی طرح لُڑکتا ہوا چلا جارہا تھا۔ وہ بولنے کی بہت کوشش کرتا تھا مگر لفظ اُس کے منھ سے نہ نکلتے تھے۔ جب ہیلن کا گھر آگیا تو اُس نے ہمّت کرکے اور طرح طرح کی قسمیں کھاکر اپنی محبّت کا یقین دلانا شروع کیا۔ مگر جذبات سے اتنا مغلوب ہوگیا تھا کہ کوئی بات صاف ادا نہ ہوتی تھی۔ ہیلن کے لئے اجنبی ایک تماشا تھا،

مگر اچھی نسل اور روپے کی افراط مرد کو اکثر عورت کی نظروں میں ذلیل ہونے سے بچا لیا کرتی ہے ؛

جن نگاہوں سے ہیلن نے اجنبی کو خیرباد کہی اُن میں بیزاری نام کو نہ تھی بلکہ اُس کی تیکھی چتون اجنبی کو دوبارہ آنے کی دعوت دے رہی تھی۔ مگر اجنبی اتنا گدھا تھا کہ اُس نے ہیلن کے رویّہ کو رسمی اخلاق پر محمول کیا اور دوسرے دن پھر حاضر ہونے کی اجازت مانگی جو فوراً دے دی گئی ؛

اجنبی جب دوسری دفعہ ہیلن کی ملاقات کو گیا اور اُسے مکان کے اندر داخل ہونے کا موقع ملا تو اُس نے دیکھا کہ مکان کی ہر چیز سادہ مگر صاف ستھری اور قرینے سے رکھی ہوئی تھی۔ گھر کے سامان سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مالکہ کے پاس روپے کی افراط نہ تھی، مگر قلیل سرمایہ سے اُس نے مکان کو آرام دہ بنا رکھا تھا، ہیلن گھر کے کام کاج میں مصروف تھی، اجنبی کو آج پہلی مرتبہ اُسے بے حجاب دیکھنے کا موقع ملا۔ چنانچہ وہ اُس کے نازک جسم کو دیکھ دیکھ کر بہت مسرور ہو رہا تھا تا ہیلن نے اپنے ہاتھ کے بنے ہوئے کیک۔ کچھ میوہ اور تھوڑی سی شراب لا کر اجنبی دوست کے سامنے رکھی ؛

اجنبی کو اس ملاقات سے اتنا لطف حاصل ہوا کہ اُس نے روزانہ ہیلن کے ہاں جانا شروع کر دیا۔ ابھی تک اِن میں محبت کے جراثیم پیدا نہیں ہوئے تھے، ہیلن اجنبی کی تواضع کرنے پر قانع تھی اور اجنبی اُس کی مہمان نوازی سے مگن

تھا۔

مگر پھر وہ زمانہ آگیا جب اجنبی کے مطالبات بڑھنے لگے۔ کچھ کشمکش کچھ سسکیوں اور شاید ہلکی ہلکی چیخوں کے بعد اجنبی نے ہیلن سے محبت کے معمولی تمغے بھی حاصل کر لئے۔

انسان کو جتنا ملتا جاتا ہے اتنی ہی اس کی ہوس بڑھتی جاتی ہے۔ اجنبی بھی جو کچھ حاصل کرتا اس پر قناعت نہ کرتا۔ بلکہ ہر دفعہ اس کا مطالبہ بڑھتا جاتا تھا۔ ہیلن نے ایک خاص حد تک اجنبی کو آزادی برتنے کا موقع دے دیا۔ لیکن اس کے آگے وہ آہنی قلعہ بن گئی تھی۔ ہیلن نے خوب اپنی پارسائی کا سکہ جما رکھا تھا۔ وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر اجنبی کو یقین دلاتی تھی کہ اگرچہ تقاضائے محبت یہی تھا کہ وہ اپنا سب کچھ اس پر نثار کر دے۔ مگر عصمت نے ایک ایسی خلیج حائل کر دی تھی جسے عبور کرنا اس کے امکان سے باہر تھا۔ اگر اجنبی زیادہ دلیری سے کام لیتا تو ہیلن اس کی سرزنش کر دیتی جو اجنبی کو کبھی ناگوار معلوم ہوتی۔ مگر اس کے باوجود وہ ہیلن کی پاکدامنی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

معمولی آزادی برتنے سے ہیلن بھی نہ گھبراتی تھی مگر چونکہ وہ خود بھی جوان تھی۔ اس لئے ایک نوجوان کی بڑھتی ہوئی دست درازیوں سے محفوظ رہنا آسان نہ تھا۔ مگر احتیاط لازم تھی۔ جیسے بلی چوہے کو امید و بیم میں رکھ کر اس سے لطف اندوز ہوتی ہے اسی طرح ہیلن بھی اجنبی کو دبوچ چکی تھی مگر ایک ہی

نقمہ میں اُس کا صفایا کر دینا منظور نہ تھا۔ وہ اس کھیل کو اُس وقت کھیلنا چاہتی تھی جبتک اُسے یقین ہو جائے کہ اب اجنبی کے فرار ہونے کے تمام خطرات مکمل طور پر زائل ہو چکے تھے۔ بلی اگر سچ مچ چوہے کا بھیس بدل لے تو بھوکی مر جائے۔ ہیلن اب صرف تفریح کی متلاشی نہ تھی۔ وہ سکون کی زندگی ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ اب اجنبی کی شخصیت سے واقف ہو چکی تھی اور جو کچھ اُس نے معلوم کیا تھا اُس سے اس کی قیافہ شناسی کی تائید ہوتی تھی۔

اُس کا اجنبی دوست بزنطین کا کوئی غیر معروف شخص نہ تھا۔ وہ سرکس میں شاہی کرسی کے قریب بیٹھتا تھا۔ دربار کے موقعوں پر بادشاہ اور ملکہ کے پیچھے اُسے جگہ ملتی تھی۔ کبھی وہ سفیروں کا لباس پہنتا اور کبھی فوجی وردی میں نظر آتا تھا۔ ہیلن کا اجنبی دوست شاہ جسٹن اور ویجیلینٹیا کا بھتیجا اور بزنطین کے تخت و تاج کا وارث تھا۔

ہیلن جب اپنے زرّین خوابوں کی دنیا کے اُجڑنے کا خیال کرتی تو اُس کے چہرے پر مردنی چھا جاتی تھی۔ کسی اجنبی سے گھنٹہ بھر یا ایک دن یا ایک مہینہ بھر دوستی کرنی اور بات تھی۔ ادھر ایک دوست نے الوداع کہی اُدھر دوسرے دوست کو خوش آمدید۔ مگر ولی عہد روز نہیں ملا کرتے۔

ہیلن کے لئے اپنے شاہی دوست کو سب کچھ دے دینا کچھ مشکل نہ تھا۔ جو ہر اجنبی کو اپنا سب کچھ دے سکتی تھی وہ شاہی مہمان کو کیسے مایوس کرتی۔ مگر وجہ یہ تھی کہ جو شخص ایک دفعہ اُس سے ہم آغوش ہو جاتا وہ پھر واپس نہ آتا تھا۔ اگر اُس کا شاہی عاشق

بھی جسمانی راحت اور سکون حاصل کر کے رفوچکر ہو جاتا تو اس کے خوابوں کی دنیا اُجڑ جاتی۔ دوسری طرف یہ بھی خوف تھا کہ اگر ہیلن کی جانب سے برابر انکار ہوتا رہا تو ممکن ہے وہ مایوس ہو جائے اور کہیں اور دل بہلانے کا ذریعہ تلاش کر لے۔ بزنطین میں حسین عورتوں کی ولی عہد کے لئے کمی نہ تھی ⁂

جسٹنین عورت کے جال میں پھنس چکا تھا۔ اُس کے حسین چہرہ اور خوبصورت جسم کو دیکھکر وہ بیتاب ہو جاتا مگر ہیلن کی "نہیں" پھر اُس پر مایوسی طاری کر دیتی تھی، ہیلن چھوٹی چھوٹی باتوں سے نہ گھبراتی تھی۔ مگر زیادہ آگے بڑھنا مناسب نہ تھا، جسٹنین اتنا بیوقوف تھا کہ وہ اِس عشوہ گری کو نہ سمجھ سکا۔ وہ اتنا فریب خوردہ ہو گیا تھا کہ ہیلن اُسے عفت کی دیوی دکھائی دیتی تھی ⁂

جب اُس کی دست درازیوں سے تنگ آ کر ہیلن رونے لگتی تو وہ اُس کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگتا۔ مگر ہیلن پھر کوئی ایسی اشتعال انگیز حرکت کر بیٹھتی کہ وہ پھر بے قابو ہو جاتا۔ مگر فوراً ہی ندامت سے گردن جھکا کر اُس سے رحم کی درخواست کرتا تھا ⁂

ہیلن کا سب سے زیادہ کارگر ہتھیار اُس کی "نہیں" تھی۔ جسے وہ نہایت چالاکی سے استعمال کر رہی تھی، کیونکہ اُس کی موجودہ عمر اور اُس کی سابقہ زندگی ایسی نہ تھی کہ ایسا سنہری موقع ملنے کی دوبارہ اُمید ہوتی۔ اگر وہ کہیں لغزش کر جاتی تو جسٹنین ہمیشہ کے لئے اُس کے چنگل سے نکل جاتا۔ ہیلن جو کھیل کھیل رہی تھی وہ یہ تھا کہ اُس وقت تک وہ اپنا جسم جسٹنین کے حوالے کرنا نہ چاہتی تھی جب تک کہ وہ اُس سے

شادی نہ کرے۔ اسی میں اُس کی جیت تھی۔

جسٹینین روز اُس کے لیے قیمتی تحائف لایا کرتا تھا۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ ہیلن اس ذلیل مکان کو چھوڑ کر محل میں رہنے لگے۔ مگر ہیلن نے انکار کر دیا۔ اُس کے انکار سے جسٹینین رونے لگتا۔ ہیلن روٹھی ہو کر پوچھتی:۔

"کیا تم میرے مکان کو اپنے لیے باعثِ ذلت سمجھتے ہو؟ کیا شاہی محل میں جانے کے بعد مجھ میں چار چاند لگ جائیں گے۔ کیا تم اپنی دوست کی اس افلاس زدہ حالت کو اپنے لیے باعثِ توہین خیال کرتے ہو؟"

پھر وہ غریب قسمیں کھا کر یقین دلانے کی کوشش کرتا کہ وہ محض اُس کے آرام کی خاطر سب کچھ کہہ رہا تھا لیکن ہیلن اس طرح اپنی گردن کو جنبش دیتی گویا وہ اُس کی بات کا یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ اپنی حالت ایسی زبوں بنا لیتی تھی کہ پتھر کا دل بھی ہوتا تو موم ہو جاتا۔

جسٹینین روزانہ قیمتی جواہرات اور مرصع زیورات خرید کر ہیلن کے لیے لے جاتا تھا۔ شاہی خزانہ بے دریغ خالی کیا جا رہا تھا۔ مگر اُسے پرواہ نہ تھی۔ وہ اپنی داد و دہش سے ہیلن کو ممنون کرنا چاہتا تھا۔ مگر ہیلن ہمیشہ یہ ظاہر کرتی تھی کہ اُس کو ان تحائف کی پرواہ نہ تھی۔ وہ صرف جسٹینین کی عاشق تھی۔

جسٹینین تخت و تاج کا وارث تھا۔ اُسے آج تک کبھی کسی عورت سے "نہیں" سننے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ آخر ہیلن کیسی عورت ہے کہ اُس کے

قیمتی تحفوں کو، اُس کی محبت کو، اور اُس کی التجاؤں کو برابر ٹھکرا رہی ہے۔ ہیلن ہمیشہ یہ جواب دیتی:۔

"میرے پیارے شاہزادے تمھیں کیا خبر ہے کہ مجھے تمہارا دل توڑنے سے کتنا صدمہ ہوتا ہے؟ کیا تم خود نہیں سمجھ سکتے کہ جو قیمتی تحائف تم مجھے دیتے رہتے ہو ان کے بعد میری "نہیں" کوئی معنی نہیں رکھتی۔ مگر میں تحائف کی بھوکی نہیں۔ درحقیقت میرا ضمیر مجھے آگے جانے سے روکتا ہے۔ للہ تم میرے ضمیر کو اس کے حال پر چھوڑ دو، اور اُس کو ملوث کرنے کی کوشش نہ کرو، انسان کا ضمیر اُسکی سب سے بڑی زینت ہے۔ کیا تم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ میں تمہاری خاطر اپنی عزت اور عصمت کی حفاظت کر رہی ہوں۔ تم ایک عصمت باختہ عورت کو اپنی بیوی بنا کر خوش نہ رہ سکو گے"۔

بیوقوف جسٹنین، ہیلن پر ایمان لا چکا تھا۔

جب جسٹنین نے "ہاں" کی کوئی صورت نہ دیکھی تو آخر کار وہ شادی کرنے پر رضامند ہو گیا۔ شادی کے بعد ہیلن ہمیشہ کے لئے اُس کی اور صرف اُسی کی ہو جائے گی۔

ہیلن نے فتح پالی۔ خوشی اور ممنونیت سے مغلوب ہو کر وہ اُس کی آغوش میں بیہوش ہو گئی۔ مگر جوں ہی جسٹنین نے اُس کی بیہوشی سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا ارادہ کیا، وہ پھر ہوش میں آ گئی۔ اور اس کی گرفت سے نکل کر بھاگ گئی۔

"میرے پیارے ایک دفعہ ہماری شادی ہو جائے، پھر میں ہمیشہ تمہاری رہوں گی" ٭

پندرھواں باب

جسٹینین جب ہیلن کے دامِ محبت میں گرفتار ہوا تو اس کی عمر چالیس سال تھی، اور ہیلن تیس برس کی تھی۔ محلات کی شاہی زندگی نے جسٹینین میں کوئی اچھی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔ یہ وار وینا میں پیدا ہوا جو تھریس کے قریب واقع ہے۔ شاہی قرابت سے جو تبدیلی واقع ہوئی وہ یہ تھی کہ اس کا پیدائشی نام اپرانڈا تھا۔ جب اس کا چچا شہنشاہ جسٹن اسے قسطنطنیہ لایا تو اس کا نام جسٹینین رکھ دیا گیا۔ جسٹینین کی تعلیم چند مشہور اساتذہ کی نگرانی میں ہونے لگی۔ عبرانی۔ لاطینی اور یونانی زبانوں کے علاوہ اُس نے شہسواری اور فنِ سپاہگری میں بھی خاصی دسترس حاصل کر لی۔ مگر لوگ اس کی پیٹھ پیچھے عموماً اُسے "گدھا" کہتے تھے۔ اس کے بڑے سر میں چھوٹا سا دماغ تھا؛

تاہم ہر شخص جسٹینین سے ڈرتا تھا۔ اُس کے جاسوس سارے شہر میں پھیلے ہوئے تھے۔ بعض لوگوں کا باطن ان کے ظاہر سے بہتر ہوتا ہے لیکن جسٹینین کا ظاہر اور باطن دونوں بُرے تھے۔ اور ہیلن بھی اس سے واقف تھی۔ قسطنطنیہ میں جو فوج رہا کرتی تھی جسٹینین اس کا سردار تھا اور جسٹن کے بعد بادشاہ بننے والا تھا۔ اس لئے وہ

لوگ بھی جو دل میں اُس سے ناخوش تھے جب اُس کے سامنے جاتے تو خوشامد کے مارے دوہرے ہو جاتے تھے ۔

شروع میں لوگوں نے ہیلن اور جسٹینین کے متعلق من گھڑت قصے مشہور کر دیئے تھے۔ بزنطین کے لوگ ہرگز ہرگز ہیلن کو ملکہ تسلیم کرنے کو آمادہ نہ تھے۔ ملکہ بھی جس کی اپنی شادی اُس کے لیے باعثِ فخر نہ تھی، ناک بھوں چڑھانے لگی۔ جسٹینین بھی شاید عارضی مصالحت کی خاطر اُس وقت شادی کرنے سے باز رہتا۔ مگر قصہ یہ ہوا کہ اُسکی پہلی بیوی جاکر اُس کی ماں کو دار دنیا سے بلا لائی ۔

جسٹینین کی ماں کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ ہیلن بڑی مکار عورت ہے اُس کی مکاری کا ثبوت یہ تھا کہ وہ فلسفہ جانتی تھی۔ اِس کے علاوہ جن باتوں کو جسٹینین خوبی سمجھتا تھا وہی خوبیاں اُس کی ماں کو عیوب نظر آتی تھیں ۔

التجائیں، شاہی عتاب کا خوف، تخت و تاج سے محرومی، غرض جتنی دھمکیاں دی گئیں جسٹینین کو اتنی ہی ضد ہوتی گئی۔ جسٹینین ہیلن کو نیک عورت سمجھتا تھا، اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ اُس کی سابقہ زندگی بدکاری میں گذری تھی تب بھی اُسکا فیصلہ اٹل تھا۔ دنیا کی کوئی طاقت اُسے نہ روک سکتی تھی ۔

ہیلن کی محبت اُس کے دل میں روز بروز بڑھتی جا رہی تھی اور شادی کی جتنی مخالفت کی جاتی اتنی ہی اس کی ضد بڑھتی جاتی تھی ۔

ہیلن نے ایک مرتبہ خود بھی جسٹینین کو مشورہ دیا کہ فی الحال اُس کا خیال

ترک کر دیا جائے۔ بلکہ اُس نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر جسٹنین شادی کرنے پر اصرار کریگا تو وہ کسی خانقاہ میں پناہ گزین ہو جائے گی، اور اگر اسے وہاں پریشان کیا گیا تو پھر خودکشی کرے گی۔ ہیلن جب غصے ہوتی تو اس کا حُسن دو بالا ہو جاتا تھا۔

جسٹنین کے ضد پر اڑے رہنے کی دو وجوہ تھیں۔ ایک تو اُسکی طبیعت ہی ضدی واقع ہوئی تھی اور دوسرے اُس کی تشنہ ہوس تھی جو ہیلن کو حاصل کئے بغیر بجھ نہ سکتی تھی۔

آخر ایک دن ضدی کی ضد پوری ہو گئی۔ بادشاہ، ملکہ، وزیر اور عمائدین سلطنت سب گرجا میں جمع ہوئے اور نہایت شان و شوکت کے ساتھ ہیلن اور جسٹنین کی شادی ہو گئی۔ بزنطینیوں کو جو فطرتاً لہو و لعب کے دلدادہ تھے مسلسل کئی روز تک جشن منانے کا ایک اور موقع ہاتھ آ گیا۔

شادی ہو چکی، ہیلن کا دل خوشی کے مارے بلیّوں اُچھل رہا تھا، یہ وہی رقاصہ تھی جو کل سونے کے چند ٹکڑوں کے عوض ہر شخص کو خوش کیا کرتی تھی۔

تمام ارا کین سلطنت جسٹنین کی شادی سے ناراض تھے۔ وجہ صاف تھی، قریب قریب ہر گھر میں جسٹنین کی شادی کے لائق لڑکی موجود تھی۔ پھر وہ یہ کیونکر گوارا کرسکتے تھے کہ ان کی بیٹیاں منہ دیکھتی رہ جائیں اور ایک رقاصہ تاج و تخت پر قابض ہو جائے مگر ہیلن کو اس خفگی کی پرواہ نہ تھی۔ اُس کے کان صرف خوشامدیوں کی باتوں کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ یہ خوشامدی وہ تھے جو جاہ و مرتبہ کے بھوکے تھے یا جن کو جسٹنین

نے بڑی بڑی رقمیں دے کر اپنا ہم نوا بنا لیا تھا، پھر وہ کیسے نمکحرامی کر سکتے تھے۔
مگر نیچے طبقے کے لوگ اِس شادی سے بہت خوش تھے۔ کیونکہ اُنہی جیسی مفلس نادار عورت اب تختِ شاہی پر جلوہ افروز تھی۔ بڑے آدمی جل رہے تھے، اور عوام اُن کے حسد کا مذاق اُڑا رہے تھے۔ دراصل مصلحت بھی اسی میں تھی کہ ہر شخص ہونے والے بادشاہ اور ملکہ کی دل کھول کر تعظیم کرے۔ اس لئے ہر شخص ملکہ کی قدمبوسی کو اپنا فرض سمجھتا تھا۔ مجبوراً بڑے بڑے سردار اور اُمرا بھی عوام کی تقلید کر رہے تھے۔

سولھواں باب

شادی کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ جسٹینین نے کروٹ بدلی۔ ایک زمانہ تھا جب سبز رنگ کے رومال والی پارٹی نے ہیلین کی ماں کی بڑی مخالفت کی تھی۔ اگر نیلے رومال والے اُس کا ساتھ نہ دیتے تو شاید ہیلین اور اُس کی بہنیں فنا ہو چکی ہوتیں۔ اب ہیلین کا موقع تھا۔ اُس نے جسٹینین کو سبز رومال والوں سے بدظن اور نیلے رومال والوں کا طرفدار بنا دیا۔ بظاہر اس میں کوئی اہمیت نہ تھی لیکن بزنطین میں ایک گروہ کو چھوڑ کر دوسرے گروہ کی طرفداری کرنی معمولی بات نہ تھی۔ سبز رنگ کے رومال والے شاہی مقرب تھے اور شاہی رضامندی کے خلاف جسٹینین کا دوسری پارٹی کا ساتھ دینا مذاق نہ تھا مگر ہیلین نے مطلق پرواہ نہ کی ؛

شادی کے بعد پہلی مرتبہ جب جسٹینین سرکس میں آیا تو اُس کے گلے میں نیلا رومال بندھا ہوا تھا۔ یہ دیکھتے ہی بادشاہ کی تیوری پر بل پڑ گئے ، اور سبز رومال والوں نے بھی غصہ کا مظاہرہ کیا ؛

اس معمولی بات کے علاوہ ابھی تک جسٹینین کی زندگی میں کوئی ایسا انقلاب

پیدا نہیں ہوا تھا جس کے لئے ہیلن کو ذمہ وار ٹھیرایا جاتا۔ ہیلن اب بالکل بدل چکی تھی۔ وہ شاہی آداب کی سختی سے پابندی کرتی تھی۔ امراء بھی اب اُس کا استقبال کرنے کو فخر سمجھتے تھے۔ بزنطین کا کوئی رئیس ایسا نہ تھا جس نے ہیلن کو گھر پر بلا کر عظیم الشان دعوت نہ دی ہو۔

کیا آپ باور کر سکتے ہیں کہ یہ عورت جو سب کچھ کر چکی تھی اب اتنی بدل گئی تھی کہ کسی کو اُس سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی؟ جسٹینین بھی اپنے انتخاب پر پھولا نہیں سماتا تھا۔ جب وہ لوگوں کو ہیلن کے سامنے سرخم کرتے دیکھتا تو اُس کے منہ سے بے اختیار یہ جملہ نکل جاتا تھا!

"ایک دن ہیلن کیسی اچھی ملکہ بنے گی!"

دربار کے تمام آدمی پرانے قصے بھول چکے تھے۔ ہیلن کے لباس یا اطوار پر اب کوئی انگشت نمائی نہ کر سکتا تھا۔ اس کی محبت اب صرف خاوند کے لیے مخصوص ہو چکی تھی۔ ملکہ بھی ہیلن کی گرویدہ ہو گئی اور ہیلن بھی ملکہ کے ساتھ بڑے احترام سے پیش آتی تھی۔ سخت سے سخت نکتہ چین بھی اس کی زندگی میں کوئی نقص نہ نکال سکتا تھا۔

شادی کے تین سال بعد شاہ جسٹن، جسٹینین کے حق میں تخت سے دستبردار ہو گیا۔ تاجپوشی کی رسم جب ادا کی گئی تو شاہی گرجا میں تمام اکابر سلطنت جمع ہوئے۔ صدر میں دو مرصّع تخت بچھائے گئے۔ شہنشاہ جسٹن اپنے خلوت خانے سے نکلا۔ وہ سرخ کمخواب کا لمبا چغہ پہنے ہوئے تھا جس میں جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ آہستہ آہستہ گرجا

کے بڑے ہال میں سے گذرتا ہوا وہ تخت پر آکر بیٹھ گیا۔ گرجا میں کافوری شمعیں روشن تھیں۔ امرا اور عمائدین سلطنت زرق برق لباس پہنے صفیں باندھے اپنے اپنے رتبے کے اعتبار سے کھڑے ہوئے تھے۔ آتشدانوں سے خوشبوؤں کے بخارات اُڑ اُڑ کر سارے گرجا کو معطر کر رہے تھے۔

پھر جسٹینین گرجا میں داخل ہوا۔ رسم تاجپوشی کے اعلیٰ افسر نے اگرچہ جسٹینین کو سب کچھ سکھا پڑھا دیا تھا لیکن پھر بھی وہ قدم قدم پر غلطیاں کر رہا تھا۔

جسٹینین نے آگے بڑھ کر شاہی تخت کو بوسہ دیا۔ پھر ایک ملازم کشتیٔ زرنگار میں مرصع تاج لایا۔ شاہ جسٹن تخت سے اُٹھا اور نیچے اُتر کر بھتیجے کے پاس گیا جو تخت کو بوسہ دیکر کسی قدر فاصلے پر کھڑا ہو گیا تھا، اور اُسے دوسرے تخت پر بٹھا دیا۔

پھر ایک وزیر کھڑا ہوا اور اُس نے ایک لمبی دستاویز میں سے شاہی حکم پڑھ کر سنایا جس میں جسٹن نے اپنی تخت سے دست برداری اور جسٹینین کی تاجپوشی کا اعلان کیا تھا۔ تاجپوشی کی رسومات کے ختم ہونے کے بعد جسٹن کے عصائے شاہی کو حرکت ہوئی حاضرین پھر خاموش ہو گئے۔ اب عورتوں کی ایک قطار آئی جس کے آگے آگے ہیلن اور ملکہ لیپسینیا تھی اور پیچھے دوسرے ملکوں کی شاہزادیاں اور ملکہ کی مصاحبین تھیں۔

ہیلن کا حُسن پھٹا پڑتا تھا۔ اس کی زلفیں اس طرح گُندھی ہوئی تھیں کہ اُن پر سانپوں کا شبہ ہوتا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی، شاہانہ رعب اور دبدبے کے ساتھ آ رہی تھی۔ آج اُس کی اُمیدیں بر آ رہی تھیں۔ اُس کے دماغ میں سرکس کی زندگی سے لیکر

اس وقت تک کے تمام واقعات چکر لگا رہے تھے۔ وہ کچھ کھوئی ہوئی سی تھی۔ اُسے صرف اتنا محسوس ہوا کہ سفید ریشم کا چغہ اُتار کر اُسے سُرخ مخمل کا چغہ پہنایا گیا اور پھر اُس کے سر پر تاج رکھا گیا جس میں بڑے بڑے آبدار موتی لٹک رہے تھے ؛

بزنطین کا رواج تھا کہ تاجپوشی کے دن نیا بادشاہ اور نئی ملکہ سرکس میں جایا کرتے تھے، اُسی سرکس میں جہاں ہیلن کی بداعمالیوں کی ابتدا ہوئی تھی۔ مگر آج کس کی مجال تھی کہ ملکہ کو آنکھ بھر کر بھی دیکھ سکے۔ ہیلن اس منظر سے متاثر ہو کر جسٹینین سے کہنے لگی :-

"اگر انسان کی بجائے تختِ شاہی پر کتّے کو بھی بٹھا دیا جائے تو دنیا اُس کے پاؤں چومنے میں بھی اپنی عزت سمجھے گی"

سترّھواں باب

شاہ جسٹن تخت سے دست بردار ہونے کے تھوڑے عرصے کے بعد زندگی سے بھی دست بردار ہو گیا۔

بادشاہ کے مرنے کا بزنطین کے لوگوں کو ملال نہیں ہوا۔ بڈھے مرا ہی کرتے ہیں۔ اگر بڈھے نہ مریں تو جوانوں کو کون پوچھے؟ رہے ملک کے ٹیکس تو کوئی بھی بادشاہ ہو وہ اُن کو ہر صورت میں ادا کرنے پڑیں گے۔ اس لئے ان کی بَلا سے گاؤ آمد یا خر رفت کچھ بھی ہوا کرے۔

ہیلن نے درباری آداب میں زیادہ سختی برتنی شروع کر دی۔ مثلاً سابق بادشاہ کے عہد میں بادشاہ کو سجدہ کرنے کی رسم نہ رہی تھی۔ لیکن ہیلن نے اس کو دوبارہ جاری کر دیا۔ بے تکلفی سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ ہیلن کو اس لئے اور بھی تکلف برتنے کی ضرورت تھی کہ اُس کی سابقہ زندگی بڑی بدنام رہ چکی تھی۔ اُس نے بادشاہ کو جھک کر کورنش بجا لانا کافی نہیں سمجھا۔ اُس نے حکم جاری کر دیا کہ شاہی کمرے میں داخل ہوتے وقت دروازے سے شاہی کرسی تک ملاقاتی پیٹ کے بل رینگ کر آیا کریں۔ اس حکم کی

تعمیل میں ملاقاتیوں کے گھٹنے اور کہنیاں چھل جاتی تھیں اور اُن کے کپڑے پھٹ جاتے تھے۔ رینگ کر شاہی کرسی کے قریب پہنچنے پر بھی ان کو شاہی نظرِ التفات کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔

پُرانے خیال کے آدمی ہیلن کے ہمدرد بنتے جا رہے تھے۔ شاہی محل کے افسروں کی اہمیت بڑھ گئی تھی۔ رینگنے اور سجدہ کرنے کی رسم سے عوام بھی اس لئے خوش تھے کہ مالداروں کی خاطر خواہ "عزت" ہونے لگی تھی۔ بادشاہ یا ملکہ سے شرفِ ملاقات حاصل کرنے میں بڑی صبر آزمائی کی ضرورت تھی۔

ہیلن کو اپنی طاقت کے استعمال کرنے میں بہت لطف آتا تھا۔ وہ طاقت کے سایہ کو پسند نہیں کرتی تھی۔ اس لئے مطلق العنان رہنا ضروری تھا۔ ہر کس وناکس کو شرفِ باریابی حاصل نہ ہوتا اور صرف وہی افسر ملاقات کر سکتے تھے جنھیں ضروری معاملات میں احکام لینے ہوتے تھے۔ جو شخص محض سلام کی غرض سے حاضر ہوتا اُس کی ننگی کمر پر دس کوڑے لگائے جاتے تھے تاکہ دوسروں کو شاہی وقت کے ضائع کرنے کی جرأت نہ ہو۔

ملکہ سلطنت کے ہر کام اور ہر شعبہ میں دلچسپی لیتی تھی۔ سالانہ بجٹ کے اعداد وشمار سے بھی نہ گھبراتی تھی بلکہ نہایت عقلمندی سے اپنے وزیر مال کو مشورے دیتی، اور آمدنی کو بڑھانے اور خرچ کو کم کرنے کے ذریعے سوچتی تھی۔ دوسرے ملکوں کے سفیروں سے ملاقات کرتی، اور بیرونی معاملات پر بڑا عبور رکھتی تھی۔ جسٹینین بعض دفعہ شراب کے

نشے میں عجیب وغریب احکام جاری کر دیتا — جن کو سنبھالنا پھر ہیلین کو پڑا کرتا تھا۔
ایک مورخ نے جسٹینین کا ذکر اپنی تاریخ میں اس طرح کیا ہے :-

"وہ بڑا گدھا تھا۔ اُس کی حماقت اس درجے بڑھی ہوئی تھی کہ ہیلین کی مدد کے بغیر کوئی کام نہ کرسکتا تھا"

ہیلین جسٹینین کی اکثر خبر لیتی رہتی تھی۔ اُس کا بادشاہ پر بڑا اثر تھا۔ جب سلطنت کے سب اراکین اُسے کسی غلطی سے باز رکھنے میں عاجز آجاتے تو ہیلین ہی آخر کار اُسے راہِ راست پر لاتی تھی۔ جسٹینین کئی کئی دن کھانا نہ کھاتا تھا اور کئی کئی رات جاگ کر گزار دیتا تھا۔ جب خیر خواہی اور دانشمندی سے کام نہ چلتا تو خوشامد اور چاپلوسی سے لوگ کام لیتے تھے۔ ایک کونسلر نے تو ایک دفعہ حد ہی کر دی۔ وہ کہنے لگا :-

"جب میں سرکار سے بات کرتا ہوں تو مجھے برابر یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں آپ شاہی کُرسی چھوڑ کر آسمان کی سمت پرواز نہ کرنے لگیں، کیونکہ حضور بڑے خدا رسیدہ معلوم ہوتے ہیں"

بیوقوف بادشاہ ان باتوں سے بہت خوش ہوتا تھا۔ وہ اپنے دوستوں یا وفاداروں پر نہیں بلکہ اپنے دشمنوں پر ان کو دوست بنانے کے لئے بُری طرح روپیہ خرچ کرتا تھا۔ سلطنت کے بیرونی دشمن اور ہمسایہ حکومتیں اُس کی اس کمزوری سے واقف تھیں، اُن کو جب روپے کی حاجت ہوتی وہ بزنطین کے کسی صوبہ پر چڑھائی کر دیتے اور منہ مانگی رقم لے کر ہی پیچھا چھوڑتے تھے۔ جب غنیم حملہ آور ہوتا تو بزنطین کی فوجیں

اُس کے مقابلے کو نہیں بھیجی جاتی تھیں بلکہ سفیروں کے ذریعے سے بھاری بھاری رقمیں دے کر غریب رعایا کو اُس کے پنجے سے نجات دلائی جاتی ؛

جسٹینین دشمنوں کے ساتھ مہربانی مگر رعایا کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کرتا تھا۔ اُس کے بنائے ہوئے بہت سے قانونوں سے حکومت کی آمدنی میں بھاری نقصان رہنے لگا جس کو پورا کرنے کے لئے ٹیکس اور بڑھائے گئے۔ لوگ فاقہ کشی کی صعوبتوں سے تنگ آکر بغاوت کرنے لگے۔ ایک نوجوان نے ایک بغاوت میں نمایاں حصہ لیا۔ اُس نے بھی حملہ آوروں کا طریقہ استعمال کیا۔ اور بھوکے کسانوں کا ایک لشکر ترتیب دے کر دارالسلطنت پر حملہ کر دیا ؛

ہیلن سے نہ رہا گیا، وہ بولی :۔

"یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔ تمہارے ظالم ٹیکس وصول کرنے والوں نے ان کے پاس پیٹ بھرنے کو اناج کبھی نہیں چھوڑا" ؛

ان کی فریاد رسی کی بجائے جسٹینین نے فوج کا ایک بہترین دستہ ان کی سرکوبی کے لئے بھیجدیا۔ کئی ہزار بلوائی مارے گئے۔ اُن کے مکانات کو نیست و نابود کر دیا گیا اُن کے کھیتوں میں آگ لگا دی گئی، اور اُن کے زن و فرزند کو غلام بنا کر بیچ ڈالا ؛

ملکہ اس حادثے سے بہت متاثر ہوئی، اور اُس نے غصہ میں کہا :۔

"تم سونے کا انڈا دینے والی مُرغی کو حلال کر رہے ہو"

مگر جسٹینین پر بھوت سوار تھا۔ شاید بدنظمی اور ابتری اور بھی زیادہ پھیل

جاتی۔ مگر ہیلین نے تدبیر سے کام لیا اور بغاوت فرو ہو گئی ؎

اٹھارہواں باب

ہیلن اب کافی بدل چکی تھی۔ اُس کی سابقہ زندگی کچھ بھی تھی، مگر اُس نے اب نیک نام بننے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اگر وہ ایک دفعہ لوگوں پر اپنی پارسائی کی دھاک بٹھانے میں کامیاب ہوگئی تو پھر اس سے کبھی کوئی لغزش بھی ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔

اُس زمانے میں عورتیں عموماً نیم عریاں رہنے کی عادی تھیں۔ ہیلن نے حکم جاری کر دیا کہ جو عورت کافی لباس نہیں پہنے گی اُسے سخت سزا دی جائے گی۔ اس حکم کا جاری ہونا تھا کہ سب کے تِکلے کے سے بل نکل گئے۔ خود شاہی محل میں یہ حال ہوگیا کہ کوئی کنیز کیا مجال جو ہنسکر کسی مرد سے بات تو کر لے۔ ہیلن نے بداعمالی اور بدکاری کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکنے کا عزم کر لیا تھا۔ بدکاری کے انسداد میں بھی اُسی انہماک سے کام لیا گیا جس افراط سے بدکاری کی گئی تھی۔ اب اُس کی نظر میں رقاصہ کی زندگی بڑی ذلیل زندگی تھی جو ہر کس و ناکس کے ہاتھ ہر نرخ پر عصمت فروشی کرتی پھرتی تھی۔ کیا مہذب سوسائٹی ایسی زیادتیوں کی اجازت دے سکتی ہے؟ اُس نے اس

"تجارت" کو بند کرنے کے لئے پولیس کو حکم دیا کہ حُسن فروشوں پر کڑی نگاہ رکھی جائے اور تمام بدکار عورتوں کو اُن کی "منڈیوں" میں سے نکال کر محنت مزدوری پر لگایا جائے، "منڈیاں" بند ہو گئیں۔ دلالوں کو سخت سزائیں دی جانے لگیں ؂

ہیلن اپنی صنف کو اُس ذلت سے پاک کرنا چاہتی تھی جس میں مردوں کی ہوسناکیوں نے اُسے ڈال دیا تھا۔ اُس نے ایک خانقاہ سمندر کے کنارے تعمیر کرائی اور شہر میں اعلان کر دیا کہ اُس کے دروازے ہر فاحشہ کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ اُن کے کھانے، پینے، پہننے کا سب انتظام حکومت کرتی تھی۔ مگر چند عورتوں کے علاوہ کسی نے خانقاہ میں بسنا پسند نہ کیا۔ آخر کار جبراً اس قماش کی سب عورتوں کو لے جا کر خانقاہ میں چھوڑ دیا گیا ؂

ہیلن جانتی تھی کہ عورت فطرتاً مکار ہوتی ہے۔ اُس کا ثبوت یہ تھا کہ دوسرے ہی دن سے ان عورتوں نے غُل مچانا شروع کر دیا اور خانقاہ کی نیک زندگی سے اُکتانے لگیں ؂

ہیلن بہت ناراض ہوئی۔ اِن عورتوں کو کیا حق تھا کہ اس قدر سکون اور آرام کی زندگی مل جانے کے باوجود وہ اس قدر بیزار تھیں؟ مگر وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اُن کے احتجاج کے باوجود ان کو وہیں رکھا جائے ــــ وہ اُن کو نیک بنانے پر تُلی ہوئی تھی ؂

خانقاہ کے "مجاوروں" میں کم از کم پچاس عورتیں ایسی تھیں جنھوں نے لمبی لمبی

دیواریں پھاند کر آزادی حاصل کرنے کی کوشش میں اپنی جانیں گنوا دیں۔ بعض نے گلے میں پھانسی لگا کر خودکشی کر لی۔ باقی ماندہ مجبوراً اپنی زندگی خانقاہ میں کاٹ رہی تھیں ؛

بدخصال عورتوں کی بدکاری کا انسداد کرنے کے بعد وہ مردوں کی طرف متوجہ ہوئی، جو درحقیقت تمام سوسائٹی کی جڑیں کھوکھلی کر رہے تھے۔ مگر خوبی قسمت دیکھئے کہ بھلی چنگی عورتیں جو نیک گھریلو زندگی بسر کر رہی تھیں اب خراب ہونے لگیں؛

جتنی آوارہ عورتوں کو خانقاہ میں داخل کیا گیا تھا، اُس سے زیادہ نوعمر لڑکیاں خراب ہو گئیں! مگر اس بے حیائی میں بھی درجے اور رتبے کا خیال رہتا تھا۔ ہر ایک خراب شدہ لڑکی اپنی برتیت میں یہ کہتی تھی کہ "میں کوئی ہیلن کی طرح بدنام تھوڑی ہوں۔ اگر بدنامی کے باوجود وہ ملکہ بن سکتی ہے تو بغیر بدنام ہوئے میں فرشتہ کہلائے جانے کی مستحق ہوں"؛

ہیلن بدکاری کا قلع قمع کرنا چاہتی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو خاندان کے خاندان تباہ و برباد ہو جائیں گے، اور پھر ایسی بیہودہ عورتوں کو اپنی صفائی میں ملکہ کی نظیر پیش کرنے کا کیا حق تھا ؛

طلاقیں کثرت سے ہونے لگیں۔ ایسی طلاق جس میں میاں اور بیوی دونوں آزاد ہو کر سب کچھ کر سکیں جائز نہ تھی۔ خاوند کو بغیر معقول وجہ بیوی کے مارنے کا حق نہ تھا۔ (اگرچہ وہ ہزاروں بہانے گھڑ سکتا تھا) البتہ اگر نیک چلن بیوی کا

بدسیرت میاں راہِ راست سے بھٹک جائے تو وہ طلاق لے سکتی تھی ؛

اس قسم کی پابندیوں نے بزنطین کی عورتوں کو مصیبت میں ڈالدیا۔ کوئی عورت اگر خاوند کی مرضی کے بغیر تھیٹر دیکھنے، یا کسی دعوت میں، یا پبلک حماموں میں چلی جاتی تو اُس کی موت آ جاتی تھی .... کم ازکم شوہر کو بغیر جواب طلب کئے اُسے طلاق دینے کا حق حاصل تھا ؛

اب گویا طلاق کی وجہ بدکاری نہ تھی۔ بلکہ معمولی معمولی گھریلو جھگڑوں پر طلاق ہونے لگی۔ شوہر نے کسی دوست کو بیوی کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتے دیکھا اور وہ مشکوک ہوگیا اور بیوی کو طلاق دے دی ہیلن نے گھریلو زندگی کے سکون کو برقرار رکھنے کے لئے حکم جاری کر دیا تھا کہ شوہر اپنے "رقیب" کو ہلاک کر سکتا ہے حکومت اُس سے کوئی مواخذہ نہ کرے گی۔ بے وفا اور بدشعار بیویوں کو جبراً خانقاہ میں میں بھیج دیا جاتا تھا ؛

بدقسمت عورتوں کو طلاق ملنے پر بھی چھٹکارا نہ تھا۔ ان کو بھی گمراہی سے بچانے کے لئے حکومت خانقاہ میں داخل کر دیتی تھی ؛

جوں جوں اخلاقی اعتبار سے سختی زیادہ ہوتی بدکاری بڑھتی جاتی تھی۔ پیشہ ور عورتوں کو شہر سے نکال کر اُس نے خاندانی شریف عورتوں کو پیشہ ور بنا دیا تھا نیز مطلقہ عورتوں کا نیک زندگی بسر کرنا ممکن نہ تھا، کیونکہ جب مردوں سے علیحدہ کر کے اُنھیں خانقاہوں میں ڈالدیا گیا تو عورتوں کی قدیم یونانی عادت

پھر عود کر آئی ؛

جس شہر میں ہر وقت چہل پہل رہتی تھی وہ اب ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ اُس کے باشندے بظاہر نیک بنتے جا رہے تھے۔ عورتیں سیاہ لمبے لمبے لبادے پہن کر اور منہ پر نقاب ڈال کر بازاروں میں نکلتی تھیں۔ موسیقی، ناچ، رنگ، پہناوے جیسے سب بند ہو چکے تھے۔ مگر بدکاری مٹی نہ تھی، صرف زیر زمین دوز ہو گئی تھی، جو دیمک کی طرح اندر ہی اندر خاندانوں کو کھوکھلا کر رہی تھی ؛

اگر تاریخ کو سمجھنے کے لیے ہم نفسیاتی تجزیہ سے کام لیں تو شاید یہ خیال پیدا ہو گا کہ چونکہ ہیلن خود اب بداعمالی نہ کرسکتی تھی اس لیے وہ دوسروں کی رنگین زندگی کو کیسے برداشت کرتی ؟ کیا اُس کی بڑھتی ہوئی سختی کی ایک وجہ یہ نہ تھی کہ وہ لوگوں کے دلوں سے اپنے ماضی کو فراموش کرا دینا چاہتی تھی ؟

ہیلن، بزنطین کے مردوں اور عورتوں کو جتنا درست کرنے کی کوشش کرتی اتنے ہی وہ زیادہ خراب ہوتے جاتے تھے ؛

ایک دفعہ اُسے معلوم ہوا کہ دو سگی بہنیں جو بیوہ ہو چکی تھیں ایک ساتھ ایک ہی گھر میں رہتی ہیں اسلئے اُنکو خانقاہ بھجوا دیا گیا۔ تین دن خانقاہ میں رہنے کے بعد وہ دوبارہ شادی کرنے پر راضی ہو گئیں۔ ملکہ نے اپنی آنکھوں کے سامنے دونوں کی شادی کرا دی جب اُسے چین آیا ؛

اُس کے جاسوس ہر جگہ موجود تھے عشق و محبت کا ہر افسانہ ہیلن کو معلوم رہتا

تھا۔ نوکر آقا کی، بیوی شوہر کی، بھائی بہن کی، اور بہنیں بھائیوں کی جاسوسی کرتی تھیں؛
ہیلن کتنی ستم ظریف واقع ہوئی تھی، اُس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے،
ایک دفعہ کسی شہر کے لوگ باغی ہو گئے، ملکہ نے ایک جرنیل کو جس کا نام نکولا تھا
بغاوت فرو کرنیکے لئے روانہ کیا۔ شہر کا گورنر تین چار دن سے محصور تھا۔ باغی قلعہ بند
فوج کو شکست دیکر قلعے میں گھس گئے اور گورنر کو قتل کر ڈالا۔ نکولا جب باغی شہر میں داخل
ہوا تو اُسنے بغاوت کو کچل دیا، اور قلعے میں مقتول گورنر کی بیوی کے پاس اُسکے خاوند
کی موت پر ہمدردی کا اظہار کرنے گیا۔ اتفاق سے تعزیت نے افسانے کی شکل اختیار
کر لی، اور ان دونوں میں گہری دوستی ہو گئی۔ نکولا باغیوں کو گرفتار کر کے جب دارالسلطنت
لایا تو مقتول گورنر کی بیوہ بھی اُسکے ہمراہ آئی، اور اُسکے ساتھ رہنے لگی۔ انکی محبت کا مُنا
سارے شہر میں پھیل گیا۔ جسٹینین نے قصداً نکولا کی بے عنوانیوں پر اُس سے کوئی جواب
طلب نہ کیا۔ مگر ہیلن ماننے والی نہ تھی، وہ جانتی تھی کہ نکولا شادی شدہ ہے، اور اسکی
بیوی دیہات میں موجود ہے۔ ایک بیوی ہوتے ہوئے اُسے دوسری شادی کرنے کا
حق نہ تھا، اسلئے نکولا اس بیوہ کو دوست کی حیثیت سے اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا؛

ہیلن ایک دن باغ میں سیر کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان دیہاتی
عورت تھی۔ سیر کرتے کرتے وہ درختوں کے ایسے جھنڈ میں جا پہنچی جہاں نکولا اپنی
دوست کے ساتھ شراب خواری میں مصروف تھا، ملکہ کو دیکھکر اُس کا رنگ فق ہو گیا؛

ملکہ بولی:-

"بہادر نکولا میرا خیال تھا کہ تم اپنی بیوی کے لئے بہت بے قرار ہوگے، اسلئے میں اُسے اپنے ساتھ لے آئی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تمھیں اس اتفاقی ملاقات سے بہت خوشی ہوگی"۔

گورنر کی بیوہ کو خانقاہ میں داخل کر دیا گیا، اور نکولا مجبوراً اپنی بدصورت بیوی کے ساتھ رہنے لگا۔

ہیلن کے نکتہ چین کہتے تھے :-

"اگر نکولا ہیلن سے دوستی کر لیتا تو یہ نوبت نہ آتی"۔

انتیسواں باب

جنوری ۵۳۲ء میں ایک دن تمام بزنطینی سرکس میں جا رہے تھے۔ مگر انکی بشاشت پژمردگی سے بدلی ہوئی تھی۔

پولیس غور سے لوگوں کے چہروں کا جائزہ لے رہی تھی۔ مگر پولیس والوں کی بھی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ تماشائیوں کے چہروں پر آج غیر معمولی سختی کیوں ہے چپکے چپکے پولیس والے ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ آج کیا ہونے والا ہے۔

سرغنے الگ الگ گروہوں سے باتیں کر رہے تھے، اور چپکے چپکے سب کو پیغام پہنچا رہے تھے۔ ان کی باتوں سے جوش پیدا ہو رہا تھا۔

بات یہ تھی کہ کچھ عرصہ سے لوگ جسٹینین کے بہت خلاف ہو گئے تھے۔ جسٹینین نے جو نئے ٹیکس عاید کر دیئے تھے لوگ اُن سے ناخوش تھے۔ اُس کے وزیر اُس کے نام سے بے تحاشہ سختیاں کر رہے تھے۔ اِن باتوں کے علاوہ لوگ اُسے جادوگر بھی سمجھنے لگے تھے۔

لوگوں کا خیال تھا کہ جسٹینین نے شیطان سے دوستی کر لی ہے۔ رات کو بارہ

بجے جن شاہی نوکروں نے اُسے دیکھا تھا اُن کا قول تھا کہ اُس کا چہرا سفید ہوتا ہے
ناک، کان، آنکھیں غائب ہو جاتی ہیں۔ وغیرہ، وغیرہ ؛

لوگ ایک جادوگر کی سلطنت میں رہنا پسند نہ کرتے تھے۔ ایسا حکمران جب
چاہے شیطان کے ذریعے ان کو برباد کر سکتا ہے ؛

سرکس شروع ہو گیا۔ مگر لوگوں کی چہ میگوئیاں بند نہ ہوئیں جسٹینین نے
دریافت کیا :۔ "غل کیوں ہو رہا ہے"؟

پولیس کے افسر نے عرض کی "عالی جاہ کچھ نہیں۔ یہ لوگ سرکس کے کھیل تماشوں
کو آج کچھ پسند نہیں کر رہے"۔

لیکن خود افسر کو یقین تھا کہ ضرور کچھ گڑ بڑ ہونے والی ہے۔ بادشاہ نے کہا!
"اچھی بات ہے گھوڑ دوڑ شروع ہونے کا حکم دو"۔

گھوڑ دوڑ شروع ہو گئی۔ مگر سرکس میں ابھی تک اُسی طرح غل ہو رہا تھا ؛

جسٹینین نے ناراض ہو کر کہا۔

"غل بہت ہو رہا ہے، لوگوں کو حکم دو کہ خاموش رہیں"۔

لیکن پولیس افسر جانتا تھا کہ جوش سے بھرے ہوئے آدمیوں کو چھیڑنا ٹھیک نہیں،
اُس کو اُمید تھی کہ تھوڑی دیر میں سب کچھ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر شور زیادہ ہوتا
گیا۔ جیسے شہد کی مکھیاں چھتہ توڑنے پر غصہ سے بپھر کر باہر نکل آتی ہیں اور ساری فضا
میں بھنبھناہٹ کی آواز گونجنے لگتی ہے ؛

تیسری دوڑ شروع ہو گئی۔ مگر ابھی تک غل ویسا ہی ہو رہا تھا۔ اب بادشاہ کو غصہ آ گیا:

"دوڑ بند کر دو۔" اُس نے حکم دیا۔

بگل بجنے لگے۔ دوڑ بند ہو گئی۔ لوگ خاموش ہو گئے۔ تمام آدمی شہنشاہ کی نشست کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ بادشاہ پولیس کے افسر اعلیٰ سے باتیں کر رہا تھا، ایک پہرہ دار شاہی کرسی کے پاس سے باہر نکلا۔ بادشاہ اُس کے ذریعے سے لوگوں سے خطاب کرتا تھا۔ پہرے دار نے لوگوں کو ہاتھ کے اشارے سے منع کیا کہ غل نہ مچائیں۔ پھر اُس نے دریافت کیا:۔

"تم لوگ آخر چاہتے کیا ہو، جو اتنا ہنگامہ بپا کر رکھا ہے؟"

لوگ خاموش رہے۔ اب جب اُن کو شکایت بیان کرنے کا موقع دیا گیا تو وہ لاجواب تھے۔ پہرہ دار نے کڑکتی ہوئی آواز سے پھر کہا:۔

"اگر تم کو کوئی شکایت ہے تو جلدی بیان کرو۔ ورنہ خاموشی سے بیٹھے رہو، اور تماشہ دیکھو۔"

اب سرغنوں میں جرأت پیدا ہونے لگی۔ لیکن اُن کی آواز شاہی نشست تک نہیں جا سکتی تھی:

پہرے دار نے پھر کہا:۔

"سب لوگ اکٹھے ہو کر نہ بولیں۔ ایک وقت میں صرف ایک آدمی کو بولنا چاہیئے۔"

"ہم پولیس کے سردار کا سر چاہتے ہیں" سب نے مل کر کہا۔
پہرہ دار نے پھر شہنشاہ کی طرف سے کہا:۔
"تمھیں ایسی بات کہنے کی کیسے جرأت ہوئی؟ کمینے کتو! خاموش رہو اور دوڑ ہونے دو۔ ورنہ تمہارے کوڑے لگائے جائیں گے"۔
اس پر لوگ بپھر گئے اور "بادشاہ کو مار ڈالو" کی گونج پیدا ہو گئی۔
پہرہ دار نے پھر بادشاہ کی طرف سے پوچھا "کیوں؟"
جواب ملا "بادشاہ شیطان کا بیٹا ہے اور خونی ہے، وہ نیلے رومال والوں کی حمایت کرتا ہے۔ ان کو ہر قسم کی سہولت دی جاتی ہے اور ہمیں ہر طرح کی تکلیف"۔
"یہ تمہارا کام نہیں کہ تم اپنے آقا پر نکتہ چینی کرو۔ ذلیل کتو! خاموش ہو جاؤ"۔
"نہیں ہم خاموش نہیں ہوں گے۔ ہم بہت خاموش رہ چکے۔ ہم چاہتے ہیں کہ نیلے اور سبز رنگ والوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جائے"۔
اب نیلے رومال والوں میں ہل چل مچ گئی، اور جتنے آدمی سرکس میں موجود تھے اُن سب میں ایک آگ بھڑک اٹھی۔
شہنشاہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اُس کا خیال تھا کہ دونوں جماعتوں میں کچھ دنگے فساد کے بعد امن ہو جائے گا۔ مگر اُس کا خیال غلط نکلا۔ سبز رومال والے برابر شاہی نشست کی طرف گھور رہے تھے، اور انگوٹھے چڑا رہے تھے، اور کہہ رہے تھے

"نیلے رنگ کے رومال والے ہماری توہین کرتے ہیں۔ وہ ہماری عورتوں کی آبرو برباد کرتے ہیں اور حکومت اُن کا ساتھ دیتی ہے۔ ہم ایسی حکومت نہیں چاہتے جہاں رعیّت کے ساتھ انصاف نہ کیا جائے"!

اس کے بعد وہ سرکس سے باہر جانے کو تیار ہو گئے۔ مگر سرکس میں سے بادشاہ کی موجودگی میں باہر چلا جانا سخت جرم تھا۔ یہ بادشاہ کی بڑی توہین تھی۔ اور اس جرم کی سزا موت تھی!

پولیس کے افسرِ اعلیٰ نے حکم دیا کہ لوگوں کو باہر جانے سے روکا جائے، اور ان کو اسی وقت پھانسی پر لٹکا دیا جائے!

ہیلن یہ سیر گرجا کے بلند مینارے سے دیکھ رہی تھی۔ پہلے وہ اپنے خاوند کی بزدلی پر پیچ و تاب کھاتی رہی۔ مگر جب اُس نے پولیس کے افسر کا حکم سُنا تو وہ مسکرانے لگی: "سختی! یہی اس مرض کی دوا تھی"!

سبز رومال والے صرف اپنے غم و غصہ کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ وہ کسی فتنہ و فساد پر آمادہ نہ تھے۔ کیا اُنھیں سرکس سے چلے جانے کا بھی حق نہ تھا؟ ایک سبز رومال والا بھی سرکس میں اپنی نشست پر بیٹھا نہیں رہا۔ نیلے رومال والوں نے خوب تالیاں پیٹنی شروع کر دیں!

مگر دروازوں کے آگے پولیس موجود تھی۔ باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ مجمع میں جو لوگ آگے تھے پولیس نے دھکیل کر اُنھیں پیچھے ہٹا دیا۔ لیکن پیچھے سے پھر ریلا آیا

اور لڑائی شروع ہوگئی۔

پولیس نے تلواروں سے حملہ کر دیا۔ سبز رنگ والوں نے مدافعت کی۔ نیلے رنگ والے پولیس کی امداد کو آپہونچے۔ بزنطینی سپاہی پیچھے ہٹنے لگے۔ مگر اُن کی امداد کو جرمن سپاہی موجود تھے۔ وہ قتل و غارت کا بازار گرم کرتے مجمع میں گھسنے لگے۔

پولیس کے افسر نے کہا "یہ کافی ہے۔ اب سرغنوں کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ اتنے بڑے مجمع میں یہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ سرغنہ کون ہے؟ پچاس آدمی گرفتار کر لئے گئے اور اُن کے سر آن کی آن میں تن سے جدا کر دئے۔ پچاس پھر گرفتار کئے گئے۔ ان کو پھانسی کا حکم ہوا۔ پچاس پھانسیاں تیار کی گئیں۔ مگر جلّادوں کے بھی ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ جس چبوترہ پر پھانسیاں لٹکائی گئی تھیں وہ ٹوٹ گیا، اور ملزم نیچے زمین پر گر پڑے۔ شاید خدا کو اُن کی جان بچانی منظور تھی۔ مگر پولیس کے افسر نے حکم دیا کہ اُن کو دوبارہ پکڑ کر پھانسی دی جائے چنانچہ اُن کو پکڑ کر پھر چبوترہ پر لے گئے۔ اتنے میں ایک آواز بلند ہوئی۔

"ذرا ٹھہرو، ذرا ٹھہرو۔ ان ملزموں میں ایک نیلے رومال والا بھی گرفتار ہو گیا ہے" اور یہ ٹھیک تھا، کیونکہ پولیس نے اندھا دھند گرفتاریاں کی تھیں۔

اب نیلے اور سبز رومال والوں نے ایک ساتھ غُل مچایا کہ قیدیوں کو رہا کر دیا جائے! جلّادوں نے پولیس افسر کی طرف دیکھا۔ اُس نے حکم دیا کہ سب کو پھانسی دے دی جائے۔ یہ اُس شخص کا قصور ہے کہ وہ غلط جگہ کیوں جا کر کھڑا ہوا کہ اُسے

گرفتار کر لیا گیا۔ ملک کی اندرونی سیاست اُس وقت تک قابو میں رہتی ہے جبتک کہ ایک پارٹی دوسری پارٹی سے لڑتی رہے۔ لیکن اگر کبھی دونوں مل جائیں تو ـ!

بادشاہ کھڑا ہو گیا اور شاہی محل میں چلا گیا۔ محل کے دروازوں کو فوراً بند کر دیا گیا۔ اب شہر میں عجیب قسم کے نعرے لگ رہے تھے۔ نیلے اور سبز رومال والوں میں اتحاد ہو گیا تھا۔ اب وہ دونوں بادشاہ کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔

ہیلن، بادشاہ کے پاس پہنچی۔ بادشاہ کو کمزور نہ ہونا چاہیئے، اُس نے جسٹینین کو مضبوط رہنے پر پھر کمربستہ کر دیا۔ مگر خبریں وحشتناک تھیں۔ بغاوت سارے شہر میں پھیل گئی تھی۔ جیل خانوں کے دروازے توڑ دیئے گئے تھے۔ بدمعاش بازاروں کی دوکانوں کو لوٹ رہے تھے۔ پولیس کے افسر اعلیٰ کے گھر سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔

فوج بارگوں میں تیار تھی۔ باغی صرف بازاروں میں بلوہ کر رہے تھے۔ بادشاہ کا دل یہ نظارہ دیکھکر سہما جاتا تھا۔ ہیلن بادشاہ کی کمزوری پر پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ اُس نے بادشاہ سے کہا:۔

"تم کیسے بادشاہ ہو کہ سلطنت پر حکومت کرنا تو درکنار۔ تم اپنی بزدلی پر بھی قابو نہیں رکھ سکتے۔ ڈرتے کیوں ہو؟ اگر بغاوت زیادہ بڑھی تو ہم سب فنا کر دیئے جائیں گے۔ پولیس افسروں کے سروں کے بعد ہمارے سروں کا مطالبہ کیا جائے گا۔ حکم دو کہ فوج تمام باغیوں کا خاتمہ کر دے"۔

بادشاہ کمر پر ہاتھ رکھے پریشان حال اپنے بڑے ہال میں ٹہل رہا تھا۔ وہ باغیوں کو عورتوں کی طرح کوس رہا تھا۔ وہ حکومت کا اہل نہ تھا۔ پھر آخر لوگ اُسے اس مصیبت سے نجات کیوں نہیں دیتے ۔۔۔ وہ ہیلن کو اپنی جگہ بٹھانے کو تیار تھا۔ آخر کار ہیلن نے فوجی افسروں کو طلب کیا، اور اُن سے دریافت کیا کہ بزنطین میں کتنی فوج موجود ہے۔ معلوم ہوا بہت فوج ہے، اور کیل کانٹے سے لیس کھڑی ہے۔ صرف شاہی حکم کا انتظار ہے۔ مگر بادشاہ سختی برتنے کو تیار نہ تھا۔ وہ باغیوں سے صلح اور آشتی سے کام لینا چاہتا تھا، بیوقوف کہیں کا! صرف دو تین ہزار آدمیوں کو مار دینے سے سارا کام ٹھیک ہو سکتا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو سونے کے کمرے میں بند کر لیا اور وزیروں سے ملنے سے انکار کر دیا۔ ساری رات جسٹینین نے جاگ کر کاٹی مگر کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔

باغیوں کی آوازیں شاہی محل میں برابر آ رہی تھیں۔ بادشاہ بہت پریشان تھا جن افسروں نے شاہی محل میں پناہ لی تھی وہ ڈر سے کانپ رہے تھے۔ آوازیں تین آدمیوں کے سر مانگتی تھیں، اور وہ تینوں افسر جانتے تھے کہ جسٹینین بہت کمزور آدمی ہے۔ اگر باغیوں سے صلح کی کوئی شکل پیدا ہو جائے تو وہ تینوں افسروں کو باغیوں کے حوالے کر دینے میں دریغ نہ کرے گا۔

ہیلن نے بادشاہ سے کہا۔

"یہ تمہاری انتہائی بزدلی ہوگی اگر تم نے ان تین افسروں کو باغیوں کے حوالے

کیا۔ آخر اُن کا قصور کیا ہے؟ یہی کہ اُنھوں نے ہمارے احکام کی تعمیل کی ہے"؟

جسٹینین نے حکم صادر کر دیا، اور حکم دے دیا کہ لوگوں کو سُنا دیا جائے۔

"تینوں پولیس افسروں کو معزول کیا جاتا ہے"۔

ہیلن نے بہت سر مارا کہ ایسے موقع پر رعایت برتنی جائز نہیں۔ مگر جسٹینین نے ایک نہ مانی۔ اِس کے باوجود لوگ مطمئن نہیں ہوئے۔

آخر جسٹینین نے فوجی افسر سے دریافت کیا "کیا تم اپنے سپاہیوں پر بھروسہ کر سکتے ہو"؟

"عالی جاہ! اتنا بھروسہ جتنا میں خود اپنے پر کرتا ہوں۔ وہ لوگ جرمن ہیں، میں اُن کی وفاداری کا ذمہ دار ہوں۔ ابھی تمام سڑکوں کو صاف کر دونگا"۔

"اچھا جاؤ، اپنا فرض پورا کرو" جسٹینین نے کہا۔

فوجی بارگوں کا دروازہ کھلا، اور مسلح فوج شہر میں داخل ہونی شروع ہو گئی لوگ سہم گئے۔ جرمن سپاہیوں کے پاس لمبے لمبے کلہاڑے اور برچھیاں تھیں۔ انکی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

لوگ پیچھے ہٹنے لگے۔ جرمن سپاہی آگے بڑھے، اور مارتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔ ہزاروں آدمی مارے گئے۔ اتنے میں پادریوں کا ایک جلوس مشعلیں لئے ہوئے آیا۔ جرمن سپاہیوں نے اُن کی بھی پرواہ نہ کی۔ جب اُن کو معلوم ہوا کہ پادریوں پر ہاتھ صاف کیا جا رہا ہے تو اُنھوں نے اپنی تلواریں نیام میں ڈالیں

مگراب بہت دیر ہو چکی تھی سینکڑوں پادری مارے جا چکے تھے۔

بات یہ تھی کہ جب بزنطین کے اُسقفِ اعظم کو معلوم ہوا کہ فوج اور شہریوں میں لڑائی ہو رہی ہے تو اُس نے اپنے تمام پادریوں کو ساتھ لیا اور جلوس بنا کر بیچ بچاؤ کے لئے نکلا کہ جرمنوں نے اُن کا صفایا کر دیا۔

جب ہیلین کو یہ واردات معلوم ہوئی تو اُس نے صرف ایک لفظ کہا:۔

"بیوقوف"! نہ معلوم یہ لفظ کس کے لئے استعمال کیا گیا۔ فوج کے لئے۔ باغیوں کے لئے۔ یا پادریوں کے لئے۔

اب شہر میں ایک نیا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگ پادریوں کی موت کا ماتم کر رہے تھے اور انتقام چاہتے تھے۔ ساری فوج کو اس ڈر سے کہ محل پر حملہ نہ کر دیا جائے محل کے چاروں طرف متعین کر دیا گیا تھا۔ تمام شاہی عمارتیں جلا دی گئی تھیں۔ شہر پر پھر باغیوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

شہر میں تین دن تک آگ لگتی رہی۔ شفاخانہ۔ جیل خانہ۔ ڈاک خانہ اور سپاہیوں کی بارگیں۔ پولیس کی چوکیاں سب مسمار کر دی گئیں۔ دو تہائی شہر خاک کا ڈھیر بن گیا۔ صرف غریبوں کے گھر باقی تھے۔ سرغنہ اس حد تک غارت گری نہ چاہتے تھے۔ مگر اب بلوائیوں کے ہاتھ سے ناچار تھے جنھوں نے گرجاؤں تک کو بھی جلا کر خاک کر دیا تھا۔

تین دن بعد باغی سرکس میں اپنے آئندہ لائحہ عمل کے متعلق فیصلہ کرنے

کے لئے جمع ہوئے۔ اب جسٹینین کو نیا شوق چرآیا۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر وہ سرکس میں جا کر لوگوں سے گفت وشنید کرے گا تو لوگ اُس کی بات مان لیں گے۔ ہیلن نے ہر چند اُس کو سمجھایا کہ باغی اُس کے ٹکڑے پارچے کر ڈالیں گے۔ مگر اُس کی سمجھ میں نہ آیا۔ ہیلن نے مشورہ دیا کہ خود جانے کی بجائے سرکس میں فوج کو بھیج دیا جائے، تاکہ باغیوں کے سر کچل ڈالے۔ مگر جسٹینین اپنی ضد پر اڑا رہا۔ اُس کا خیال تھا، کہ جب وہ باغیوں سے بات کرے گا تو اُس کی بات کا ضرور خاطر خواہ اثر ہوگا۔ اور ہیلن کا خیال تھا کہ اُس کی موت اُسے سرکس لئے جا رہی تھی۔

جسٹینین شاہی محل کے چور راستے سے سرکس میں پہنچا، اور باغیوں سے بات کرنی چاہی۔ مگر باغیوں نے اُس کی باتوں کا جواب پتھروں سے دیا۔ اب جسٹینین گھبرا کر بھاگا، اور محل میں آکر دم لیا۔

ہیلن اپنے کمرے میں کھڑی سب تماشہ دیکھتی رہی۔ باغی ایک شخص کو جس کا نام ہیپاٹیو تھا اُس کے گھر سے گھسیٹ لائے ــــــ اُس کی بیوی روک رہی تھی مگر باغی گھسیٹے لاتے تھے۔ اُس بدنصیب کو باغیوں نے سرکس میں لاکر شاہی کرسی پر بٹھا دیا، اور ایک سُرخ رنگ کا چغہ اُس کے کندھوں پر ڈال دیا۔ اب وہ باغیوں کا بادشاہ تھا۔ باغیوں نے ایک ایک کرکے نئے بادشاہ کے سامنے تخت کو بوسہ دیا۔ نئے بادشاہ کا یہ حال تھا کہ وہ خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ اُسے موت دکھائی دے رہی تھی۔ مگر باغی کب سننے والے تھے۔ جو لوگ نئے بادشاہ کی اطاعت

کی قسمیں کھا رہے تھے۔ ان میں شاہی ملازمین مجسٹریٹ، مشیر، سب ہی قسم کے لوگ شامل تھے۔

جسٹینین ہیلن کے کمرے میں آیا اور کہنے لگا: "اب ہماری بادشاہت ختم ہو گئی مگر ابھی وقت ہے کہ ہم بھاگ کر اپنی جانیں بچا لیں"۔ محل کے آدمی، خواجہ سرا، خواصیں، ملازم سب بلوائیوں کے ڈر سے کانپ رہے تھے۔ مگر ہیلن پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ تھا۔ وہ تن کر کھڑی ہو گئی۔ وہ اس وقت بہت سنجیدہ تھی، اس نے دھیمی آواز میں کہا کہ کوئی طاقت اُسے اپنے فیصلہ سے نہیں ہٹا سکتی۔ وہ بزنطین کی ملکہ تھی۔ اس نے کہا:-

"تم لوگ جو چاہے کرو۔ جہاں چاہے جاؤ۔ چاہے بھاگ جاؤ۔ لیکن میں یہیں ٹھہروں گی۔ میں عزت کی موت کو ذلت کی زندگی سے بہتر سمجھتی ہوں"

لوگ آپس میں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ وہ ہیلن کو چھوڑ کر کیسے جا سکتے تھے۔ جسٹینین نے بھی اُسے قائل کرنے کی کوشش کی، مگر بے سود۔

ہیلن نے اب سلطنت کی لگام اپنے ہاتھ میں لے لی۔

شاہی محل میں پانچ ہزار سوار موجود تھے۔ جرمن فوج بارگوں میں تیار تھی، جسے بلوہ بڑھنے کے خوف سے بزدل بادشاہ نے پھر واپس بھیج دیا تھا۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ نیلے اور سبز رومال والوں میں پھوٹ ڈال دی جائے۔ ہیلن نے خفیہ طور پر نیلے رومال والوں کے نمائندوں کو شاہی محل میں طلب کیا اور دائمی رفاقت کا

وعدہ کرکے انھیں سبز رومال والوں سے لڑنے پر آمادہ کرلیا۔ اب کیا دیر تھی۔ ادھر محل کی فوج بلوائیوں کو پسپا کرتی ہوئی باہر نکلی۔ اُدھر جرمن فوج بارگوں سے نکل کر شہریوں پر ٹوٹ پڑی۔ نیلے رومال والے بھی اب سرکاری فوجوں کا ساتھ دینے لگے۔ سبز رومال والے مشورہ کرنے کے لئے پھر سرکس میں جمع ہوئے، جہاں اُن کی موت اُن کو گھیر کر لے گئی تھی۔ فوج نے سرکس کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور سرکس میں داخل ہو گئی۔ پھر ایک ایک شخص کو باری باری چُن کر تیروں کا نشانہ بنا دیا گیا۔ ہیلن کا حکم تھا کہ قیدی زندہ گرفتار نہ کئے جائیں، بلکہ ہلاک کر دیئے جائیں۔

جب شام ہوئی تو پچھتر ہزار لاشیں سرکس میں پڑی ہوئی تھیں۔ ہیلن نے اپنا انتقام لے لیا۔ جب اُس نے فوج کو شہریوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا تو وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں جسٹینین پھر کام خراب نہ کردے۔ مگر اب جسٹینین کو بھی اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ کیسے ملکہ کے حکم سے سرتابی کر سکتا تھا۔

ہیلن نے جسٹینین کو اپنے کمرے میں بُلایا اور کہا:۔

میں آج قسم کھا چکی ہوں کہ باغیوں میں سے ایک ایک کو چن کر قتل کراؤنگی اور جو بچ جائیں گے اُن کو کل پھانسی دی جائے گی۔ کوئی شخص خواہ کسی خاندان کا کیوں نہو، امان نہیں پائے گا۔ اب تم بھی میری طرح قسم کھاؤ۔ ورنہ تم کو ابھی باغیوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔"

جسٹینین تھرا گیا اور ہیلن کے پاؤں پکڑ کر اس طرح بلک بلک کر رونے

لگا، جیسے کوئی ضدی بچہ مار کے ڈر سے ساری ضد بھول جاتا ہے اور ماں کے قدم پکڑ کر معافی مانگنے لگتا ہے۔

آخر کار جسٹینین نے کہا "میں قسم کھاتا ہوں کہ آج سے ہر بات میں تمہاری تابعداری کروں گا"۔

پھر جو انتقامی سختی برتی گئی ہے اُس کا کیا ٹھکانا تھا۔

جب چھ گھنٹے کے نئے بادشاہ اور اُس کی بیوی کو پکڑ کر سامنے لایا گیا تو وہ بیچارہ زار زار رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔

"عالی جاہ میں نے بلوہ نہیں کرایا"۔

"خاموش!" ہیلن نے گھرک کر کہا۔ "تو نے بلوہ فرو کیوں نہیں کیا؟"

پھر جلاد آیا اور اُس نے دونوں کے سر کاٹ ڈالے۔

بعض مجسٹریٹ باغیوں کو بچانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک نے اپنے فیصلہ میں لکھ دیا کہ ملزم کے خلاف کافی شہادت موجود نہیں۔ اس لئے اِس کو رہا کیا جاتا ہے۔

ہیلن کا جواب یہ تھا کہ "یہ لوگ مشتبہ ہیں۔ یہی الزام کافی ہے۔ اِن کو پھانسی دے دو"۔

روزانہ جج اُسکو پھانسیوں کی اطلاعات بھیجتے تھے۔ یہ سلسلہ تین مہینے تک جاری رہا۔ مگر جسٹینین نے پھر ہیلن کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کی۔

بیسواں باب

بغاوت کا انجام جس نے ہیلن کو بزنطینی تخت اور جسٹینین دونوں پر مسلط کر دیا کر دیا تھا، وہی ہوا جو اکثر ہوا کرتا ہے۔ بغاوت فرو کر دی گئی بعض افسر معطل اور بعض موقوف کر دیے گئے۔ پرانے افسروں کی جگہ نئے افسر تعینات ہوئے جو چند روز اپنی بانگی دکھانے کے بعد پرانے افسروں کے نقش قدم پر چلنے لگے۔

جس وزیر سے عوام سب سے زیادہ نفرت کرتے تھے اُسے کچھ عرصہ اضلاع میں رکھنے کے بعد پھر شہر میں واپس بلا لیا گیا۔ اس تبدیلی کو سپاہیوں تک نے محسوس کیا۔

"ہماری روٹی کا آٹا صاف نہیں ہوتا معلوم ہوتا ہے کہ وہی پرانا وزیر پھر واپس آ گیا ہے" سپاہیوں نے کہا۔ یہ صنعت و حرفت۔ تجارت۔ زمینداری اور اندرونی معاملات کا وزیر تھا۔ پرانے گیہوں اچھے گیہوں کے نرخ پر فوج کے لئے خرید لیتا تھا اور بیشمار فائدہ حاصل کرتا تھا۔

اُس نے قیدیوں اور سیاسی مجرموں کے لئے نئے نئے عذاب دینے کے طریقے ایجاد کئے۔ ان ذریعوں سے نادہندہ آدمیوں سے بقایا ٹیکس کی رقمیں بھی

وصول کی جاتی تھیں، اور کنجوس سے کنجوس شخص بھی اس کے عذاب کے شکنجے میں کس جانے کے بعد اس کے احکام کی فوری تعمیل میں عذر نہ کرتا تھا۔

لوگ گھبرا کر چیخ اٹھتے تھے۔"آخر ہمیں اس کمبخت سے کون نجات دلائے گا؟۔۔۔۔ وہ بادشاہ کا معتمد ہے اور ملکہ کو خبر بھی نہیں کہ وہ اس کو بادشاہ کی نظروں سے گرا کر خود بادشاہ پر حاوی ہو جانا چاہتا ہے۔ تاکہ ایک دن موقع پا کر زبردستی تخت پر قابض ہو جائے۔۔۔۔ اور آثار بھی یہی بتاتے ہیں کہ ایسا ہی ہوگا!"

دوسرے آدمی نے کہا:۔

اگر میں ہیلن ہوتا تو میں اس کو بتاتا۔۔۔۔۔۔۔!"

"تم کیا کرتے؟" تیسرے آدمی نے پوچھا:"اس کو قتل کرنا ناممکن ہے، کیونکہ بھوت ہر وقت اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بادشاہ اُسے برخاست کرنے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ وہ سخت قسم کا محصّل واقع ہوا ہے۔"

یہ صحیح بھی تھا کیونکہ ۱۳۵۵ء سے پہلے جب تک جون نے قلمدانِ وزارت نہیں سنبھالا تھا۔ ملک کی حالت بہت اچھی تھی۔ لیکن اس کے وزیر ہوتے ہی لوگ ٹیکسوں اور محصّلوں کے ظلم سے چیخ اُٹھے۔ کاشتکار اور کارخانہ دار تباہ ہو گئے صنعت و حرفت اور تجارت کا خون چوس لیا گیا اور مرفع الحال لوگ فقیر بن گئے لیکن سونا کسی دریا کے تیز بہتے ہوئے پانی کی طرح برابر شاہی خزانے میں داخل ہو رہا تھا۔ جب تک جون سونا حاصل کرنے کی مشین بنا ہوا تھا۔ بادشاہ کو اسکے

سیاہ و سفید سے کوئی تعرض نہ تھا۔

ایک شخص نے پوچھا:۔

"کیا یہ صحیح ہے کہ جوٗن کے خانساماں اور باورچی بھی بڑے بڑے عہدوں پر مامور کئے جاتے ہیں؟"

دوسرے نے جواب دیا:۔

"ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے۔ روزانہ صبح سے شام تک وہ سینکڑوں روپے کی یونانی شراب پی جاتا ہے اور اس کے بعد حسین لڑکیوں کے ساتھ عیاشی کرنے میں وقت گزارتا ہے اور ان تمام فضول خرچیوں کے لئے ہماری جیبوں پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے"۔

یہ تھا بزنطین کی سلطنت کا سیاسی ماحول۔ مگر ہیلن ان حالات سے خوش نہ تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جوٗن سرکاری خزانہ کو دونوں ہاتھوں سے لوٗٹ رہا ہے۔

لیکن جب ہیلن نے جسٹنین سے اس کے برخاست کرنے کا مطالبہ کیا تو جسٹنین نے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا اور کہا:۔

"آخر اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ وہ بڑا عمدہ وزیر ہے۔ یہ اسی کی بدولت ہے کہ آج ہمارا خزانہ سونے سے بھرا ہوا ہے"۔

"وہ ملک کو برباد کر رہا ہے۔ وہ ہمارے روپے سے شکرے پال رہا ہے۔ تاکہ

ہمیں مغلوب کر کے تخت و تاج کا مالک بن جائے"۔

"تم فضول باتیں نہ کرو۔ یہ سب لغو ہے۔ جوّن بہت اچھا وزیر ہے اور اس کے بغیر میرا کام نہیں چل سکتا۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ بے تحاشہ اخراجات کے باوجود ہمارا خزانہ کبھی خالی نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ آخر اور وہ کیا کر سکتا ہے؟ تم کہتی ہو کہ وہ بد دیانت ہے؟ ہوگا! ہمیں کیا؟ جب تک وہ ہمارا خزانہ بھر رہا ہے۔ اگر اس کے ساتھ اپنی جیب بھی بھرے تو ہمارا کیا حرج ہے؟"

جوّن کو جب یہ معلوم ہوا کہ ملکہ اُس کے خلاف سازش کر رہی ہے تو اُس نے بھی اپنے آپ کو ملکہ کیخلاف مسلّح کرنا شروع کر دیا۔ اُس نے ہیلن کی زندگی کے تمام حالات جمع کر لیئے۔ اُس کے جاسوس ہر وقت ملکہ کی نگرانی کرتے تھے۔ اگر اس نے کسی عاشق کو محل میں چھپا رکھا ہوتا تو جوّن کے جاسوس اُس کا بھانڈا پھوڑ دیتے۔

ہیلن نے بھی جوّن پر جاسوس مسلّط کر دیئے۔ جو ساری خبریں اُسے پہنچاتے تھے۔ ذرا سی بیوقوفی دونوں میں سے ایک کو برباد کر سکتی تھی۔ بدقسمتی سے اب کچھ عرصے سے ہیلن کا زور جسٹینین پر کچھ کم ہو گیا تھا۔ اب تک ہیلن کا یہ دستور تھا کہ وہ شب کو راز و نیاز کی باتوں کے وقت تخلیہ میں جسٹینین سے اپنی تمام باتیں پوری کرا لیتی تھی۔ تخلیہ اس کا وہ میدانِ جنگ تھا، جہاں وہ سینکڑوں لڑائیاں جیت چکی تھی۔

مگر اب جسٹینین اس سے الگ رہتا تھا، اور ساری رات ٹہل ٹہل کر گزارتا تھا مشکل سے گھنٹہ بھر سوتا تھا۔ اس لئے ہیلین کے ہتھیار بیکار ہو گئے تھے ___ اب جون کو برباد کرنے کے لئے ہیلین صرف اپنے ناز و انداز پر بھروسہ نہیں کر سکتی تھی، اب اُسے عقل سے کام لینے کی ضرورت تھی جس کی اس کے پاس کوئی کمی نہ تھی۔ جون بھی جان کی بازی لگا چکا تھا۔ اُس نے ملکہ کے پرائیویٹ سکرٹری کے متعلق طرح طرح کی افواہیں پھیلائیں اور جب بادشاہ نے اُن کا مطلب پوچھا تو اُسنے اس طرح اپنی صفائی پیش کی کہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے ___ اس سے بادشاہ کا دل ملکہ کی طرف سے مکدر ہو گیا۔

جون یہ چال چلنی چاہتا تھا کہ ہیلین کو بادشاہ کی نظروں سے گرا کر پہلے بادشاہ پر پھر تخت و تاج پر قبضہ کرلے اور اس کے لئے اُسے فوراً عمل کرنے کی ضرورت تھی، کیونکہ اس کا سارا اقتدار خطرے میں تھا۔

ہیلین کے پاس معتمد جلاد۔ ہوشیار زہر دینے والے۔ تجربہ کار قاتل سب موجود تھے۔ لیکن جون ہر وقت محافظوں کے حلقہ میں رہتا تھا۔ اس لئے ہیلین کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ چال بازی سے جون کا کام تمام کیا جائے۔

"کیا تمھیں معلوم نہیں کہ جون تمہارے شوہر کو قتل کرنا چاہتا ہے"؟ ہیلین نے سپہ سالار کی بیوی سے کہا ___ "کیا تم اپنے شوہر کو بچانے کے لئے تیار نہیں"؟

فوجی افسر کی بیوی ہنسی ___ جرنیل اور وزیر اعظم کے درمیان جو رقابت چل رہی

تھی اسے ہر شخص جانتا تھا۔۔۔ سپہ سالار کی بیوی نے جواب دیا :۔

"ہاں میں جانتی ہوں کہ میرا اور تمہارا دونوں کا فائدہ اسی میں ہے کہ وزیر اعظم کو بساط شطرنج سے غائب کر دیا جائے اور اس معاملہ میں تم میری مدد پر بھروسہ کر سکتی ہو"۔

سپہ سالار کی بیوی انٹونیا بڑی چال باز واقع ہوئی تھی۔ اب اس نے وزیر اعظم کے ہاں اپنی آمد و رفت بڑھائی، اور جون کی بیٹی یوفیمیا سے دوستی گانٹھ لی :۔

یوفیمیا کی عمر پندرہ سال تھی اور وہ بہت سیدھی واقع ہوئی تھی۔ انٹونیا اور یوفیمیا بہت جلد دوست ہو گئیں۔ یہ دونوں ساتھ ساتھ جوتشی کے پاس جاتیں اور مستقبل کا حال دریافت کرتی تھیں۔ سپہ سالار کی بیوی جب یوفیمیا کا ہاتھ دیکھتی تو کہا کرتی تھی، کہ اس کا باپ قسطنطین کے تخت پر بیٹھنے والا ہے، اور وہ ضرور ایک دن ملکہ بنے گی۔ بشرطیکہ اس کا باپ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

ایک دن گویا اس نے اپنی مرضی کے خلاف (کیونکہ بھلا دوست سے کیسے چھپا سکتی تھی) اسے یہ بتا دیا کہ اس کے خاوند کی بادشاہ سے کسی بات پر تکرار ہو گئی ہے، اور غصہ میں سپہ سالار نے بادشاہ کو تخت سے اتارنے کی قسم کھالی ہے۔ اب وہ اسکی جگہ کسی اچھے آدمی کو تخت پر بٹھانا چاہتا ہے جو تخت و تاج کا صحیح معنوں میں اہل ہو۔ بدقسمتی سے وہ شخص جو اہل ہے اس کی بات تک سننی گوارا نہیں کرتا :۔

یوفیمیا نے سمجھا کہ انٹونیا اس کی ہمدرد ہے۔ اس نے تمام قصہ اپنے باپ کو سنا دیا۔ وزیر اعظم کو پہلے تو یقین نہ آیا مگر اس نے سوچا کہ شاید یہ بات صحیح ہو۔۔۔ اگر سپہ سالار

بادشاہ کو تخت سے اُتار لے کی ترکیب سوچ رہا ہے تو وہ اس موقعہ سے فائدہ اُٹھاکر خود بادشاہ بن سکتا ہے۔ وزیر اعظم اور سپہ سالار دونوں کی متحدہ طاقتوں کا مقابلہ ناممکن ہے؟ اور ایسی صورت میں جسٹینین جیسا ڈرپوک بادشاہ سوائے ہیلین کو لے کر جلاوطن ہو جانے کے اور کیا کر سکتا ہے؟

وزیر اعظم بادشاہ کے تاج پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ مگر اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ تاج کے اندر ایک سانپ بھی اُس کا انتظار کر رہا ہے۔

سپہ سالار کی بیوی انیٹونیا نے یوفیمیا سے اشارۃً ذکر کر دیا تھا کہ اگر تمہارا باپ اور سپہ سالار دونوں مل کر باہمی مشورہ کے ساتھ کام کریں تو کامیابی یقینی ہے۔ وزیر اعظم راضی ہو گیا اور فوج کی بغاوت کا انتظار کرنے لگا۔

فیصلہ یہ ہوا کہ بزنطین میں چونکہ ایسے مشورے کرنے خطرناک ہوں گے۔ اسلئے شہر سے دُور کسی مقام پر دونوں کی ملاقات ہونی چاہیئے۔ سپہ سالار خود کسی وجہ سے نہ جا سکا۔ مگر اُس نے اپنی بیوی کو وزیر اعظم سے ملاقات کرنے اور تمام معاملے طے کرنے کے لئے بھیجدیا۔

جب انیٹونیا محل میں ہیلین سے ملنے گئی تو اُس نے چُپکے سے اُس کے کان میں کہدیا:۔

"کل رات کو شہر سے تین میل کے فاصلہ پر فلاں مقام پر بات چیت ہوگی"۔

ہیلین دوڑی دوڑی بادشاہ کے پاس گئی اور کہنے لگی:۔

"اب تک جو اطلاعات میں تمھیں وزیرِ اعظم کی بابت دیتی رہی ہوں تمھیں اُن کا یقین نہیں آیا۔ اب میں تم کو ثبوت بھی دے سکتی ہوں"۔

جسٹینین کو غصہ آگیا۔ وہ جانتا تھا کہ وزیرِ اعظم جَوَن بدمعاش آدمی ہے مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ کوئی شریف وزیر کبھی اتنا روپیہ رعایا سے وصول نہ کرسکے گا۔ جتنا جَوَن وصول کر رہا تھا۔

لیکن جسٹینین، ہیلین کا امتحان لینے پر رضامند ہوگیا۔ اُس نے اپنے خاص خواجہ سرا مارسلیس کو اور اپنے خاص فوجی دستہ کو مقررہ مقام پر پہنچ کر چھپے رہنے کا حکم دیدیا اور ساتھ ہی وزیرِ اعظم جَوَن کو بھی بلا بھیجا۔ اگرچہ بادشاہ نے جَوَن سے صاف صاف تو کچھ نہیں کہا، لیکن اشاروں ہی اشاروں میں اُسے بتا دیا کہ اُس کے خلاف سازشیں کیجا رہی ہیں اور اُسے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ مگر وزیرِ اعظم پر بادشاہ بننے کا بھوت ایسا سوار تھا کہ اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، اور وہ اپنے اعمال کی سزا بھگتنے کے لئے مقررہ مقام پر سپہ سالار سے ملاقات کرنے کے لئے چلا گیا۔

رات اندھیری اور سازش کے لئے بہت موزوں تھی۔ جَوَن نے باسفورس کو عبور کیا اور مقررہ مقام پر پہنچ گیا۔ راستے میں کوئی مشتبہ بات ظہور میں نہیں آئی۔ رات بالکل خاموش تھی۔ نہ کوئی روشنی تھی نہ کتّے کی آواز۔ بہرحال احتیاط کی غرض سے کہ کہیں پولیس کو سُراغ نہ مل جائے۔ وہ اپنے ساتھ چند سورما سپاہی بھی لے آیا تھا۔ مگر جَوَن نے اُن سپاہیوں کو نہیں دیکھا تھا جو باغ کے اندر چھپے ہوئے مقررہ سگنل کا انتظار کر رہے تھے

اُسے یہ بھی خبر نہ تھی کہ جس کمرے میں انیٹونیا اُس سے ملاقات کر رہی ہے، اُس کے پاس والے کمرے میں مارسیلیس اور دوسرے فوجی افسر چھپے ہوئے ہیں۔ ملاقات کے کمرے میں وزیر اعظم اور سپہ سالار کی بیوی دونوں اکیلے تھے۔

وقت کم تھا، اس لئے انیٹونیا نے اپنی تدابیر صاف صاف وزیر اعظم کو بتا دیں دونوں میں ہر بات پر کامل اتفاق تھا۔ اب بغاوت کے متعلق سوچنا باقی تھا کہ بغاوت کس طرح کی جائے۔ ہاں ایک سوال اور بھی تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بادشاہ اور ملکہ کیساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

اتفاق سے وزیر اعظم کا ایک آدمی گرمی سے گھبرا کر مکان سے باہر نکلا اور باغ میں ہوا کھانے کے لئے چلا گیا۔ وہاں اُس کو ہتھیاروں کی جھنکار کی آواز آئی اور زرہ بکتر کی چمک بھی دکھائی دی۔۔۔۔۔۔ وہ گھبرا کر مکان میں واپس آیا اور اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے دی۔

جس وقت دونوں باغی (لوکھیا جو فرضی پارٹ ادا کر رہی تھی اور وزیر اعظم جسے جال میں پھنسایا جا رہا تھا) بغاوت کی تمام تجویزیں طے کر رہے تھے جوَن کے آدمی کمرے میں گھس پڑے اور شور مچا دیا کہ راز فاش ہو گیا ہے اور تمام باغ فوج سے گھرا ہوا ہے۔

یہ سنکر مارسیلیس اور اس کا ہمراہی وزیر اعظم کو گرفتار کرنے کے لئے کمرے میں داخل ہو گئے لیکن جوَن نے اپنی تلوار نیام سے باہر نکال لی اور جواں مردی سے مقابلہ کیا۔ انیٹونیا اس جھگڑے سے بچکر بھاگی اور کسی خفیہ جگہ پناہ گزیں ہو گئی۔ اب وزیر اعظم کے

محافظوں میں اور سرکاری فوجی دستے میں جنگ ہونے لگی۔ مگر مارسلیس نے محسوس کیا کہ اُس نے دشمن کی طاقت کا اندازہ لگانے میں سراسر غلطی کی ہے۔ لڑائی ہو رہی تھی کہ جون نے اندھیرے سے فائدہ اٹھایا اور بھاگ نکلا جب وقت مارسلیس نے جون کے آدمیوں کو مغلوب کر لیا۔ تو معلوم ہوا کہ جون نے بھاگ کر گرجا میں پناہ لی ہے۔ جہاں سے کوئی طاقت اُسے باہر نہیں نکال سکتی تھی۔

جسٹینین پریشان تھا اور خبروں کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے اب بھی یقین تھا کہ وزیر اعظم کے متعلق جو الزامات لگائے گئے تھے وہ غلط تھے۔ وزیر اعظم کا بادشاہ پر اتنا اثر تھا کہ اگر ایک دفعہ اُس کی بغاوت ثابت بھی ہو جاتی تو بادشاہ اُسے معاف کر دینے کو تیار تھا۔

گیلری میں پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ تھیوڈورا، مارسلیس کا ہاتھ پکڑے ہوئے فتحمندانہ انداز میں بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئی، اور جوش سے چیخ کر مارسلیس کو حکم دیا

"اب تم بادشاہ کو ساری واردات سنا دو"۔

مارسلیس نے کہا "انٹونینا وہاں صرف وزیر اعظم کو پھنسانے کے لئے گئی تھی بیلساریس کا سازش سے کوئی تعلق نہیں۔ صرف وزیر اعظم مجرم ہے اور اُس کا خاتمہ جلدی کر دینا چاہیئے"۔

تھیوڈورا نے پہلے سے حکم لکھ کر تیار رکھ چھوڑا تھا۔ اب اُس نے حکم نامہ کو جسٹینین کے سامنے دستخطوں کے لئے پیش کر دیا۔ جون معزول کر دیا گیا۔

دوسرے دن جسٹینین نے شاہی فرمان کے ذریعے وزیر اعظم کی جان بخشی کا حکم دیدیا، وہ گرجا سے باہر نکلا، مگر اب سوائے جان کے اُس کے پاس اور کچھ باقی نہ تھا۔ اُسکے محلات اُس کے باغات۔ اُس کے عجائب خانے سب بحق بادشاہ ضبط کر لیئے گئے تھے۔ اب اُس کے پاس نہ حکومت تھی، نہ عزت اور نہ دولت، آخر اُسے اُن مظلوموں کے سپرد کر دیا گیا جن کا خون چوس کر وہ اب تک جی رہا تھا؛

جسٹینین اُسے فراموش کر چکا تھا۔ مگر ہیلین اُس سے ابھی تک ہوشیار تھی، وہ جانتی تھی کہ جوٗن جیسا آدمی کبھی مکمل طور پر ہتھیار نہیں ڈالتا۔ اُسے افسوس تھا کہ بادشاہ کی رحمدلی نے اُسے پھانسی کے تختے سے بچا لیا؛

مگر بدقسمتی نے جوٗن کا پیچھا نہ چھوڑا۔ جس گرجا میں جوٗن نے دوبارہ دشمنوں سے بچنے کے لئے جا کر پناہ لی تھی اُس کا پادری کسی طرح قتل ہو گیا تھا۔ پولیس نے جوٗن کو بھی قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا ــــ ہیلن اب بہت خوش تھی۔ جوٗن کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا، اور وہاں اُسے طرح طرح کی اذیتیں دی جانے لگیں۔ اُس کے خلاف جرم ثابت نہ ہو سکا ــــ مگر اُسے جلا وطن کر دیا گیا؛

ہیلن ایک مرتبہ پھر اپنے دشمن کے خلاف کامیاب ہو گئی؛

اکیسواں باب

اب ہیلن ملکہ نہ تھی بلکہ وہ بادشاہ بن گئی تھی۔ جسٹینین اکثر اپنے کمرے میں بند رہتا اور پادریوں کے ساتھ بحث مباحثہ کیا کرتا تھا۔ وہ ایران کے بادشاہ کو بھی خود ہی نامہ و پیام بھیجا کرتی تھی۔ ایران کا بادشاہ ہیلن کے خطوط اپنے مشیروں کو دکھا کر کہتا تھا :۔

"بزنطین کے تخت پر ایک بیوقوف حکمراں بیٹھا ہوا ہے، مگر خوش قسمتی سے اُسے ایک عقلمند بیوی مل گئی ہے جو اس کی سلطنت کے کاروبار کو سنبھالے ہوئے ہے۔ تمام دیوتاؤں کی قسم اس چھوٹے سے قد و قامت کی عورت کے دماغ میں جتنی عقل موجود ہے اتنی عقل میرے تمام وزیروں کے دماغ میں بھی نہ ہوگی"۔

اب اُس کی تصویر شاہی سکوں۔ فرمانوں اور شاہی عمارات پر بننے لگی تھی۔ سارا ملک اُس سے خوش تھا ہیلن اب اصل حکمراں تھی۔ کوئی کام ہیلن کی مرضی کے بغیر نہ ہوتا تھا۔

ہیلن طاقت سے مغرور ہونے لگی۔ اب اُسے سلطنت کو بڑھانے کے خواب دکھائی دینے لگے۔ مگر مغرب کی طرف جانا غلطی تھا۔ اگر سلطنت بڑھانی مقصو

پہنے تو مشرق کی طرف بڑھنا چاہیئے۔ ہیلین سکندرِ اعظم کے کارناموں کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتی تھی ۔

مگر فی الحال وہ سلطنت کے کاموں میں بہت مصروف تھی۔ جج ۔ وزیر ۔ سفیر، پولیس کے اہلکار۔ اعلیٰ عہدے دار۔ فوجی افسر۔ سب اس کے پاس احکام لینے کے لئے حاضر ہوتے تھے ، اور اس کے کمرے کے باہر خاموش کھڑے رہتے تھے۔ ہر شخص خواجہ سرا کا منہ تکتا تھا۔ خواجہ سرا بھی اپنا رعب گانٹھنے میں کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ وہ اکثر اوقات ایسی افواہیں پھیلا دیتے تھے جن سے سب کے دل دہل جاتے تھے۔ مثلاً کبھی وہ یہ خبر دیتے کہ آج ملکہ کا مزاج درست نہیں ہے ۔ اگر کسی شخص نے باریابی کے وقت جُھک کر اُس کے سلیپر چُھونے میں دیر کی تو ممکن ہے اُسے زندان میں ڈلوا دیا جائے ۔

ملاقات کا افسر اپنا سنہری عصا لئے ہیلین کے کمرے کے باہر کھڑا رہتا تھا۔ ایک دفعہ ملکہ سے اُس نے فلنیس کی باریابی کی اجازت طلب کی جو کئی دن سے ملاقات کے لئے آ رہا تھا، مگر چونکہ دیر میں آتا تھا اس لئے باریابی میسر نہ ہوتی تھی۔ یہ ایک بڑا رئیس آدمی تھا، جسے سابق وزیر اعظم نے تباہ کر دیا تھا ۔

"فلنیس" ملکہ نے کہا "کیا اُس سے ملنا بہت ضروری ہے"؟

"نہیں حضور ، مگر .... وہ شاید کل پھر آئے" ۔

"اچھا تو میں آج اُس سے ضرور ملوں گی"۔

فُلنیس حاضر کیا گیا۔ غریب بڈھا دھکے کھاتا گرتا پڑتا اندر پہنچا۔ اُسے افسوس ہو رہا تھا کہ دھکا پیل میں اُس کے کپڑے بھی خراب ہو گئے تھے۔ جب وہ ملکہ کے دروازے پر پہنچا تو اُس کا سانس پھولا ہوا تھا اور اُس کی ٹوپی غائب تھی۔

پہلے ایک افسر نے اُسے دربان تک پہنچا دیا۔ پھر فُلنیس ملکہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ بجائے جھکنے کے وہ بالکل پیٹ کے بل لیٹ گیا، اور رینگ رینگ کر چلنے لگا اور ملکہ کے قریب پہنچکر اُس کے جوتوں کو بوسہ دیا۔

"ہاں تو تم مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔ بولو کیا بات ہے۔ کھڑے ہو جاؤ۔"

فُلنیس کھڑا ہو گیا اور بمشکل اُس کا سانس ٹھیک ہوا۔ ملکہ مسکرا رہی تھی۔ اُس نے دوبارہ کہا۔

"میں تمہارے بولنے کا انتظار کر رہی ہوں"

بڈھا گھبرا گیا "حضور کی عمر دراز ہو، میں ---------- میں --- میں --- تو یہ عرض کرنے ------- آیا ------- آیا --- تھا کہ حضور --- عالیجاہ --- میں بہت غر --- یب ------ آدمی ہوں -------"

"کیا تم فضول بکواس کرنے کے لئے میرے پاس آئے ہو" ملکہ نے کہا

"جی ہاں ------ جی نہیں حضور ------- میں نہیں آیا۔ بلکہ میری مصیبت یہاں لائی ہے" بڈھے فُلنیس نے حواس درست کرتے ہوئے جواب دیا۔

"میں کیا کر سکتی ہوں؟" ملکہ نے دریافت کیا۔

"حضور مالک ہیں، سب کچھ کر سکتی ہیں۔ ظالم وزیر اعظم نے مجھے تباہ کر دیا۔ میری بیٹی کی عصمت دری کی اور "- - - - - - - - - -"

"تم انتقام چاہتے ہو؟"

"انصاف"

"کس طرح" ملکہ نے پوچھا

"حضور وزیر اعظم کی لڑکی یوفیمیا شاہی محل میں موجود ہے۔ میری کوئی اولاد نہیں۔ حضور اُسے مجھے دیدیں"

ملکہ نے حکم دیا کہ یوفیمیا کو بڈھے کے حوالے کر دیا جائے۔ بڈھے کا محل بھی جو وزیر اعظم نے دھوکہ دے کر ہضم کر لیا تھا واگذاشت کر دیا گیا۔ یوفیمیا سے ملکہ نے کہا "آج سے یہ بڈھا تمہارا باپ ہے۔ اگر تم کو کوئی تکلیف ہو تو ہمیں اطلاع دینا"

بڈھا روتا ہوا آیا تھا اور ہنستا ہوا گیا۔

بائیسواں باب

"ایک نوجوان آدمی محل کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے اور ملکہ سے بات کرنی چاہتا ہے" ایک سپاہی نے دوسرے سے کہا

"ایک نوجوان آدمی ملکہ سے ملنا چاہتا ہے؟ وہ ضرور کوئی پاگل ہوگا۔ اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ ہر شخص ملکہ سے بات کرسکتا ہے تو اُس سے کہہ دو کہ فوراً چلا جائے اگر نہ گیا تو اُس کے کوڑے لگائے جائیں گے"۔

"میں اُسے پہلے ہی بتا چکا ہوں، مگر وہ نہیں جاتا"

"کیا وہ کوئی پاگل ہے یا سازشی انسان؟"

"نہیں ــ وہ ایک معقول لڑکا معلوم ہوتا ہے ــ اچھا لباس پہنے ہوئے ہے اور شاید اجنبی ہے۔ وہ پاگل نہیں دکھائی دیتا"۔

"جاؤ اس کا نام معلوم کرو" دوسرے سپاہی نے کہا، اور یہ بھی دریافت کرو کہ وہ ملکہ سے کیوں ملنا چاہتا ہے"؟

پہلا سپاہی چند منٹ کے بعد واپس آیا، اور دوسرے سپاہی کے کان میں کہنے لگا۔

"اس کا نام تو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ کچھ عبداللہ، عبداللہ کہتا ہے، لیکن وہ کہتا ہے کہ وہ ملکہ کا بیٹا ہے"۔

"پھر تو یقیناً وہ پاگل ہوگا" دوسرے سپاہی نے کہا

"نہیں وہ پاگل نہیں ہے بلکہ بالکل صحیح العقل ہے۔ اُس نے مجھ سے کہا "میں بڑی دُور سے اپنی ماں ہیلین سے ملنے آیا ہوں، جو اب ملکہ بن گئی ہے۔" پہلے سپاہی نے جواب دیا۔

دوسرے نے پوچھا "کیا سچ مچ اُس نے یہ کہا ہے"؟

پہلے نے جواب دیا "ہاں بالکل یہی لفظ تھے"۔

"ممکن ہے درست ہو۔ ہماری ملکہ ایسی بہرجائی واقع ہوئی ہے کہ نہ معلوم دنیا کے کن کن حصوں میں اُس نے بچے جن جن کر چھوڑ دیئے ہوں گے۔ مگر اب ضروری بات یہ ہے کہ ہم کوئی غلطی نہ کر بیٹھیں۔ اس معاملہ میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اُسے نکال دیں اور وہ شہر بھر میں یہی بات کہتا پھرے تو ہمارے لئے یہ بات بہت مضر ثابت ہوگی۔ اس کو پاس کے کمرے میں بٹھا دو میں اتنے میں ملکہ کو خبر دیتا ہوں"۔

دوسرا سپاہی محل میں داخل ہوا، اور ملکہ کے ملاقات کے کمرے تک جا پہونچا ہیلین غسل کرنے کے بعد ابھی حمام سے نکلی تھی۔ وہ اُس وقت سدا بہار پھول معلوم ہوتی تھی۔ اس کی آنکھوں کی چمک اور اس کے گھنے اور لمبے لمبے بال سفید چہرے

پر بڑی بہار دکھا رہے تھے۔ کاکیشیا کی حسین لڑکیاں بیٹھی ہوئیں اُس کے پاؤں کے ناخنوں پر پالش کر رہی تھیں، اور ہیلن کرسی پہ بیٹھی سلطنت کے کاغذات کا معائنہ کر رہی تھی۔ اتنے میں سپاہی رینگتا ہوا ملکہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ ملکہ نے کنیزوں کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ سپاہی کھڑا ہو گیا اور اُس نے ملکہ کے کان میں کہا :-

"عالی جاہ! ایک عرب نوجوان محل کے دروازے پر کھڑا ہے اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آپ اُس کی ماں ہیں"۔

ہیلن کے دل کی حرکت تیز ہو گئی۔ اُس کا ماضی اس کی نظروں کے سامنے آ گیا کیا یہ وہی بچہ تھا، جسے عرب اُس سے چھین کر اپنے قبیلہ میں پرورش کرانے کیلئے لے گیا تھا؟ مگر اُس کے چہرے سے کوئی پریشانی ظاہر نہ ہوتی تھی :

"یہ کیا کہانی تم مجھے سُنا رہے ہو؟ کیا میں ہر اُس پاگل شخص سے ملنے کے لئے مجبور ہوں جو مجھے ماں کہکر پکارے؟ اُس کو باہر نکال دو" ملکہ نے کہا۔

سپاہی نے دریافت کیا "کیا اس کے کوڑے لگائے جائیں؟"

"نہیں کوڑے لگانے کی ضرورت نہیں۔ شاید وہ پاگل آدمی ہے۔ اُس کے ساتھ شریفانہ مگر سختی کا سلوک کرنا چاہیئے" ملکہ نے کہا۔

سپاہی باہر جانے لگا۔ مگر ملکہ نے اُسے واپس بلا لیا اور کہا :-

"نہیں اُس بیوقوف کی حماقت سے بچنا چاہیئے۔ اُسے یہاں لے آؤ۔ میں

اُسے سمجھاؤں گی کہ وہ غلطی کر رہا ہے۔ مگر دیکھو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے اور بادشاہ سے قطعاً اس کا کوئی ذکر نہ کیا جائے"؛

سپاہی نے کورنش کی اور چلا گیا۔

ہیلن نے اپنی خواصوں کو پھر چلے جانے کا اشارہ کیا اور عرب کے لڑکے سے ملنے کے لئے تیار ہو گئی ؛

جب عرب کا لڑکا ملکہ کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ بالکل اپنے باپ سے مشابہ تھا ہیلن کو یہ شک گزرا کہ وہ عرب سے پھر ملاقات کر رہی تھی۔ مگر لڑکے کی ابھی مونچھیں بھی نہ نکلی تھیں نہ اُس کی آواز میں سختی تھی۔ وہ اپنے باپ کی طرح بہادر معلوم ہوتا تھا۔ اُس کا جسم، اُس کا ناک نقشہ سب عرب سے مشابہ تھا۔ مگر اس کی آنکھوں کی چمک ہیلن جیسی تھی ؛

اُس کا بیٹا!--------- ایک لمحہ کے لئے اُس کا جی چاہا کہ وہ دوڑ کر اُسے گلے لگائے۔ مگر اُس نے اپنے جذبات پر جلدی قابو حاصل کر لیا۔ پھر اُس کے دل میں یہ شک گزرا کہ اُس کا لڑکا یہاں کیسے آسکتا تھا اور اُسے کیسے خبر ہو سکتی تھی کہ اُسکی ماں بزنطین کی ملکہ بن چکی ہے شاید یہ اس کے دشمنوں نے کوئی سیاسی چال چلی تھی۔ وہ اُس کے اور عرب کے افسانے سے واقف ہوں گے۔ اُسے ہوشیاری سے کام لینا چاہیئے ؛

اُس نے حقارت سے نوجوان کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ لڑکے نے بھی

اُسے غور سے دیکھا اور ٹھہر گیا۔ اُس کی عمر تقریباً پندرہ سال معلوم ہوتی تھی، یہی عمر اُس کے اصلی بیٹے کی ہوگی اگر وہ زندہ ہوگا۔ وہ اُس کی طرف تھوڑی دیر دیکھتی رہی اور پھر بنایت بے پرواہی سے بولی:۔

"تم میرے سپاہیوں کے سامنے یہ کیا بکواس کر رہے تھے؟ تم جانتے ہو کہ میں تمہیں اس کی پاداش میں کوڑے لگوا کر زندان میں ڈال سکتی ہوں؟"

"یہ مذاق نہیں۔ میں ملکہ ہیلن کا بیٹا ہوں، اور مجھے اپنی ماں سے ملنے کا حق حاصل ہے۔"

"تمھیں اس بات کے دوہرانے کی کیسے ہمت ہوئی۔ یہ میری ہتک ہے۔"

"میں یہ کچھ نہیں جانتا۔ میں اپنی ماں سے ملنا اپنا حق سمجھتا ہوں۔" عرب کے لڑکے نے جواب دیا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو، ملکہ کے ہاں کبھی اولاد نہیں ہوئی۔" ملکہ نے کہا

"اگر تم ہی ملکہ ہیلن ہو تو تم جانتی ہو کہ تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا۔"

"تمھیں یہ بکواس کس نے سکھائی؟" ملکہ نے دریافت کیا۔

"میرے والد نے" لڑکے نے جواب دیا۔

"اُس نے کیا بتایا تھا؟" ملکہ نے پھر دریافت کیا۔

"مرنے سے پہلے انھوں نے مجھے اپنی پٹی کے پاس بٹھا کر ایک خوفناک راز کا انکشاف کیا تھا۔ اس سے پہلے میرے باپ نے مجھے کبھی میری ماں کے متعلق

کبھی کچھ نہیں بتایا۔ حالانکہ میں نے اکثر مرتبہ اُن سے سوالات کیے۔ مرتے وقت انھوں نے مجھے بتایا کہ میری ماں ہیلن ہے : بزنطین کی ملکہ۔"

"اچھا تو وہ مر گیا؟"

"میرے باپ نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں کبھی اپنی ماں سے ملنے کی کوشش نہ کروں ــــ لیکن میں نے اُس کی نصیحت پر عمل نہیں کیا، کیونکہ میں اپنی ماں سے ملنے کے لئے سخت بیتاب تھا۔ آخر اس میں کیا ہرج ہے؟"

"وہ تمہاری ماں سے کب اور کہاں ملا تھا"؟ ملکہ نے سوال کیا۔

"انھوں نے مجھ سے کبھی اِس کا ذکر نہیں کیا۔ صرف ایک دفعہ اتنا بتایا تھا، کہ اُنھوں نے میری ماں کو ملکہ بنے ہوئے دیکھا تھا، جب وہ گرجا سے تاجپوشی کے بعد نکل رہی تھی"، لڑکے نے جواب دیا۔

وہاں بعض اوقات مشابہت بھی بڑا غضب ڈھاتی ہے۔"

"نہیں میرے باپ کو دھوکا نہیں ہوا۔ اُن کا خیال تھا کہ ملکہ نے بھی شاید اُن کو پہچان لیا تھا اور ملکہ اُن کو دیکھکر زرد پڑ گئی تھی۔"

"تم کو اس کہانی کا یقین بھی آگیا؟" ملکہ نے پوچھا۔

"آخر یقین نہ کرنے کی وجہ۔"

ملکہ کو یقین ہو گیا کہ یہ وہی لڑکا ہے جسے شیر خواری میں اُس کا باپ لیکر چلا گیا تھا۔ اب وہ خود بھی یہ نہ جانتی تھی کہ اس لڑکے سے اُسے محبت ہے یا نفرت، اگر اُس کا باپ اُسے

گھوڑے پرسے کر بھاگ نہ جاتا تو ہیلن اس لڑکے سے کتنی محبت کرتی ؟ مگر آج ؟ آج اُس اجنبی کو ملکہ سے کیا واسطہ تھا ؟

"پھر تم ملکہ سے کیا چاہتے ہو ؟" ملکہ نے سوال کیا

"کچھ نہیں۔ میں تو صرف اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں۔ تاکہ اُس کے پاؤں کو بوسہ دوں اور رخصت ہو جاؤں۔ ابھی مجھے دنیا کا تجربہ بہت کم ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ بڑے آدمیوں کی زندگی میں دخل دینا خطرناک بات ہے" لڑکے نے جواب دیا۔

ہیلن نے جب اپنے دل کا جائزہ لیا تو اُسے معلوم ہوا کہ مادرانہ شفقت کی بجائے اب اس کے دل میں انتقامی جذبہ موجزن تھا۔

اگر وہ اقرار کر لیتی کہ یہ اسی کا لڑکا ہے تو اُس کا کیا حشر ہوتا ؟ کیا وہ لڑکے کو بادشاہ کے سامنے یہ کہہ کر پیش کرتی کہ وہ اُس کی بدکاریوں کا پھل ہے ؟ کیا وہ اُسے الگ خفیہ طور پر رکھ سکتی تھی ؟ لیکن اگر لڑکے نے خفیہ رہنا پسند نہ کیا ؟

نہیں ! وہ ماں بننے کے لئے پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اُس کو ان جذبات سے متاثر نہ ہونا چاہیئے۔ سیاست کی دنیا جذبات کی رنگینی کی تاب نہیں لاسکتی، اور اُس کی زندگی اب ایک سیاسی زندگی تھی۔

لڑکے کو فوراً چلا جانا چاہیئے۔ وہ پھر کبھی واپس نہ آئے۔ لیکن اگر وہ پھر واپس آیا تب ؟

لوگوں میں فوراً چرچے شروع ہو جائیں گے۔ پولیس اُسے گرفتار کرے گی تفتیش کی

جائے گی اور پھر وہ سب کچھ بتا دے گا۔

نہیں اُسے واپس نہیں جانا چاہیئے ہیلن کو لازم تھا کہ وہ بدنامی سے بچنے کی پوری کوشش کرے۔ اگر ضرورت ہو تو سب سے پیاری چیز کو بھی قربان کر دے۔ کیونکہ مرے ہوئے لوگ واپس نہیں آتے۔ اُس نے اپنے دل کو یہ سمجھ کر تسلی دے لی کہ اُس کا بیٹا مر چکا ہے اور اب وہ اُسے کبھی نہیں دیکھے گی۔

لڑکا ابھی تک اپنے باپ کی باتیں سنا رہا تھا۔ اگر ممکن ہوتا اور وہ اُسے اپنا بیٹا کہکر پکار سکتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ مگر اب اُسے محل سے باہر نہ جانا چاہیئے۔ اب وہ آئندہ کبھی نہیں بولے گا۔ یہ ہیلن کا آخری فیصلہ تھا۔

ہیلن بہت ملول تھی۔ اُس نے ہاتھ اُٹھایا اور اس کی باتوں کو بند کر دیا۔ وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اب اُسے اپنے کئے پر پشیمانی ہو رہی تھی۔

زینہ میں چڑھنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایک حبشی غلام حاضر ہوا۔ ہیلن نے نہایت غمگین لہجہ میں اُسے کچھ حکم دیا۔ گویا وہ خود اپنی موت کا حکم صادر کر رہی تھی۔

"زندان ـــ اسے زندان میں لے جاؤ۔.........." فوراً ملکہ نے فوراً حکم دیا۔

پھر کبھی کسی نے عرب کے لڑکے کو نہیں دیکھا۔ شاید قیامت کے دن جب سب مقتول دوبارہ زندہ ہوں گے تو وہ بھی اپنے قتل کی واردات سنائے، اور اپنے قاتلوں سے انتقام لے۔

تیئیسواں باب

اگر کسی معزز مہمان کو شاہی محل میں داخل ہونے کا موقع ملتا تو وہ محل کی ظاہری شان و شوکت سے ہی اتنا مرعوب ہو جاتا کہ کبھی اُس کے خواب و خیال میں بھی وہ ہولناک تہ خانے نہ آتے ہوں گے جو محل کے نیچے بنے ہوئے تھے، وہ کشادہ اور خوبصورت باغ اور اُس کے بیشمار فوارروں اور پرندوں کے نغموں کو سنتا ہوا چلا جاتا ہوگا۔ وہ محل کے بڑے بڑے عظیم الشان کمروں کو تعجب کی نظر سے دیکھتا اور اُن کے سازو سامان کو دیکھکر ہکا بکا رہ جاتا ہوگا۔ شاہی خزانوں میں ایسے بیش بہا، چمکدار جواہرات موجود تھے جو معزز مہمانوں کو دکھانے کے لئے نکالے جاتے تھے اور جنھیں دیکھکر دیکھنے والوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی تھیں۔ مہمانوں کو ایسے ایسے عجائبات دکھائے جاتے تھے اُن کی عقل دنگ رہ جاتی۔ مثلاً سونے کے بنے ہوئے کتے جو دُم ہلاتے تھے، زبان نکالتے تھے، اور بھَونکا بھی کرتے تھے۔ مرصع مور تھے جو اپنے پَر کھول کر ناچا کرتے تھے۔ سونے کے درخت تھے جن میں مصنوعی عنادل میٹھی نغمہ سنجی کرتی تھیں۔ ان کے علاوہ اسپین اور اٹلی کی پُرانی شرابیں۔ مکلّف دعوتیں حسین لڑکیوں کے رقص و سرود، معزز مہمانوں کو محوِ حیرت بنا دیتے تھے ۔

لیکن اگر کبھی کسی مہمان کو ہیلین کے پوشیدہ تہ خانوں میں جانے کی اجازت ملجاتی تو وہاں کے ہولناک نظاروں کے بعد اُس کا زندہ باہر نکلنا مشکل تھا۔ وہ تہ خانے دوزخ کا نمونے تھے جن میں بیسیوں بدنصیب ایسے ایسے سخت عذابوں میں مبتلا رہتے تھے کہ انکے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ؛

چینی قوم اُس زمانے میں نہایت بیرحم اور سفاک خیال کی جاتی تھی۔ اس لئے ان تہ خانوں میں جو عذاب کے فرشتے مقرر تھے وہ چینی نسل کے تھے۔ قیدیوں کو ہتھکڑیاں اور بیڑیوں میں جکڑ کر اُن کو لوہے کی کانٹے دار سلاخوں کو گرم کر کے مارا جاتا تھا۔ ہر ضرب کے بعد قیدی کے جسم سے خون کے فوارے نکلنے لگتے تھے۔ اُس کی چیخوں کو بند کرنے کے لئے دہکتی ہوئی لوہے کی گیندیں اُس کے منہ میں زبردستی ٹھونسی جاتی تھیں۔ تہ خانوں کی چھتوں میں قلابے لگے ہوئے تھے۔ قیدیوں کو ان میں اُلٹا لٹکا دیا جاتا تھا۔ اُنکے سروں کے نیچے آگ جلا دی جاتی تھی اور پھر جلاد آہستہ آہستہ اُن کی ایک ایک رگ کاٹتا جاتا تھا تاکہ موت انتہائی تڑپ اور نزع کے بعد وقوع میں آئے۔ باپ کے سامنے بیٹی اور بھائی کے سامنے بہن کی عصمت دری ایک معمولی بات تھی۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو اُن کے والدین کی گودوں سے زبردستی چھین کر اُن کے سامنے جلتے ہوئے تیل کے کڑھاؤ میں پھینک دیا جاتا تھا۔ حسین عورتوں کے جسم کو گرم لوہے سے اتنا داغا جاتا تھا کہ اُن کے جسم کی ساری کھال سیاہ ہو جاتی تھی۔ اُن کے سر کے بالوں میں تیل ڈال کر آگ لگا دی جاتی تھی۔ قیدی مصیبتیں

اٹھاتے اُٹھاتے پاگل ہو جاتے تھے اور کتّوں اور گدھوں کی طرح چیخا کرتے تھے یہ لوگ ہیلین کے سیاسی دشمن تھے۔ جنہوں نے بادشاہ کو اُس کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کی تھی۔ یا جنھوں نے کبھی حماقت سے کسی مجلس میں اُس کے ماضی کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔ تہ خانوں میں امیر، رئیس۔ وزیر۔ غریب۔ عورت۔ مرد۔ بچے سب ہی موجود تھے۔ (بچوں کو اُن کے والدین کو اذیت دینے کے لئے تہ خانوں میں داخل کیا جاتا تھا۔)

یہ قید خانے کئی کئی میل لمبے اور زمین دوز بنے ہوئے تھے۔ یہاں بالکل اندھیرا تھا۔ جہاں مظلوموں کی آہوں۔ اور مرنے والوں کی چیخوں کے علاوہ کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ مرنے کے بعد بھی مُردوں کو زنجیروں میں سے کھولا نہیں جاتا تھا۔ اُن کی لاشوں میں اس قدر تعفّن پیدا ہو جاتا کہ سانس لینا مشکل ہو جاتا تھا۔

صرف جیلر اٹکل سے اپنا راستہ ڈھونڈھ لیتے تھے۔ قیدی کے تو کبھی ذہن میں بھی بھاگ جانے کا خیال پیدا نہ ہو سکتا تھا اگر کبھی ملکہ کو کسی قیدی پر رحم آجاتا اور اُسے آزاد کر دیا جاتا تو وہ قید خانہ سے کتّوں کی طرح چیختا ہوا نکلتا تھا۔ اُسے ملکہ کے دشمنوں کے لئے باعثِ عبرت خیال کیا جاتا تھا۔ بعض دفعہ ملکہ جب رحم و کرم سے کام لیتی تو مجرم کو قتل کر کے اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جاتے، اور لاش کو ایک تھیلے میں بند کر کے باسفورس میں پھینک دیا جاتا تھا۔ صبح کو جب مچھیرے سمندر کے کنارے بیٹھے مچھلیاں پکڑتے ہوتے تو اُن کے کانٹوں میں مچھلیوں کی

بجائے انسانی لاشیں اکثر پھنس جایا کرتی تھیں ؛

عرب کے حسین اور نوجوان لڑکے کو بھی ہیلن نے انہی تہ خانوں میں ڈلوادیا تھا۔ جب ہیلن کی موت کے بعد لوگوں کو اُن خوفناک عذابوں کے شکنجوں سے نجات ملی اور وہ باہر نکلے تو عرب کا لڑکا اُس گروہ میں نہ تھا۔ پھر یہ قصہ کیسے پھیل گیا؟ کیا اُس سپاہی نے جو عرب کے لڑکے کو ملک تک لے گیا تھا کسی وقت شراب کے نشہ میں چُور ہو کر ملکہ کے راز کو طشت از بام کر دیا تھا؟ یا کوئی نوکر پردوں کے پیچھے سے یہ تمام باتیں سُن رہا تھا؟

ہیلن کے مرتبہ کا تقاضہ تھا کہ وہ ایسی احتیاطی تدابیر اختیار کرے۔ ممکن ہے اُسے آگے چل کر مظلوموں پر ظلم کرنے میں مزہ آنے لگا ہو۔ مطلق العنانی حاصل ہونے کے بعد انسان کا قابو میں رہنا مشکل بات ہے۔ حکومت کی مصلحتیں بعض وقت انسان میں ایسی تبدیلیاں پیدا کر دیتی ہیں۔ اگر ہیلن ملکہ بننے کے بعد شاہی عیش و طرب میں مشغول ہو جاتی تو اُس کے دشمن اُسے آن کی آن میں بادشاہ کی نظروں سے گرا دیتے۔ وہ تمام آدمی جو طاقتور بننے کے خواب دیکھ رہے تھے ——— وزیر ۔۔۔ال ——— فتحیاب جرنیل۔ مذہبی پیشوا جو دین و دنیا کے مالک تھے ——— ہیلن کو نیچا دکھانے کے لئے صرف موقع کے منتظر تھے۔ وہ سازش کرنے والے جو ہیلن کی بجائے بادشاہ کی نظروں میں خود وقیع بننا چاہتے تھے یا اپنی بیویوں، بیٹیوں اور بہنوں کی عصمت کو بادشاہ کی بھینٹ چڑھا کر ترقی کے راستے کھول دینے کے خواہش مند تھے ہیلن کی چھوٹی سے چھوٹی کمزوری سے

فائدہ اٹھانے سے ہچکچتے ہیملین کے حالات ایسے تھے کہ اس کی مہربانی۔ رحم۔ شرافت۔ سخاوت اعتماد وغیرہ جیسی اچھی خصلتیں اُس کی بربادی کا پیش خیمہ بن جاتیں ؛

وہ لڑکا جو اُسے ماں کہہ کر پکارنے آیا تھا آخر اُس کے پاس کیا ثبوت تھا ؟ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی بدمعاش ہو ؟ یا کسی شاطر نے اُسے اپنی سیاست کا پیادہ بنا کر ملکہ کو شکست دینے کے لئے بھیجا ہو ؟ آخر یہ لڑکا جو ہیملین سے کچھ مشابہت رکھتا تھا کہاں سے آگیا جس نے اُس کے دل میں مہربانی اور رحم کے مردہ جذبات کو پھر بیدار کر دیا ؟ کس کی چال بازی نے اُسے محل کے دروازے تک پہنچا دیا تھا ؟

اگر وہ اُس کا اپنا بیٹا بھی تھا تب بھی وقت اور موقع کی نزاکت خود ہیملین کے مستقبل کو برباد کر دیتی۔ وہ ہمیشہ محبت کے عہد و پیمان کرتے وقت ایسی احتیاطی تدابیر اختیار کر لیتی تھی جن سے اُسے اولاد کا اندیشہ پیدا نہ ہو۔ پھر یہ لڑکا کہاں سے آگیا ؟ یہ صرف ایک غلطی کا نتیجہ تھا ! اگر ماں کی محبت ہیملین کے دل سے حرفِ غلط کی طرح نہ مٹ گئی ہوتی تب بھی سیاسی بیداری کا تقاضہ یہی تھا کہ اِس آوارگی کے ثبوت کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جائے۔ کیونکہ صرف مُردے ہی رازداری کے اہل ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ شاید ابھی تک ہیملین میں انسانیت کا کچھ شائبہ موجود تھا، اس لئے جب تہ خانہ کا تصور آتا ہوگا تو اُس کے دل پر ضرور چوٹ لگتی ہوگی۔ اور اُس کا تخیل اُس کے سامنے معصوم لڑکے کی مظلومانہ چیخوں کا ایسا دہشت ناک منظر کھینچتا ہوگا جسے کسی ماں کا دل کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اُس کے منہ کا ایک لفظ لڑکے کو واپس لا سکتا تھا۔ مگر اس کا واپس آنا

ہیلن کی بربادی تھی ؛

اس سانحہ کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ وہ زرد ہوتی چلی گئی اور ہمیشہ غمگین اور بعض اوقات کچھ کھوئی ہوئی رہتی تھی۔ ممکن ہے قید خانہ میں جو ظلم و ستم اُس کے لڑکے پر ڈھایا جا رہا تھا اُس کی آوازیں ہیلن کے کانوں میں گونج رہی ہوں۔ پھر اُس کی آنکھوں پر مردنی چھا جاتی اور آواز کرخت ہو جاتی تھی ؛

وہ ایک بڑی سلطنت کی ملکہ تھی۔ ذمہ داریوں کا بوجھ اُسے کچلے ڈالتا تھا۔ اتنی بڑی سلطنت۔ اتنے سارے آدمیوں پر حکومت کرنی کیسی اچھی بات تھی۔ مگر اُسے اس طاقت کو برقرار رکھنے کے لئے کیسے کیسے ظلم ڈھانے پڑے تھے۔ یہ سوچ کر وہ برف کی طرح سرد ہو جاتی تھی ؛

ہیلن ہر وقت ہر شخص کو مشتبہ سمجھتی تھی۔ جو آج اُس کی خوشامد کر رہا ہے۔ وہ کل اُس کا مخالف بن سکتا تھا۔ اُس کا سب سے زیادہ وفادار نوکر اُس کی کمر میں خنجر پیوست کر سکتا تھا۔ کھانے اور پینے تک میں اُسے آزادی نہ تھی۔ زہر کے خوف سے پانی کا ہر گلاس اور کھانے کی ہر طشتری پہلے کسی آدمی کو چکھائی جاتی تھی ؛

اُس کے مخالفین لاتعداد تھے۔ کچھ ایسے لوگ تھے جن کو ملازمتیں نہیں دی گئی تھیں بعض وہ افسر تھے جن کی ترقی بند کر دی تھی۔ چند ایسے مقدمہ باز تھے جن کے خلاف مقدموں کا فیصلہ سُنا دیا گیا تھا۔ اور پھر وہ غریب شہری تھے جن کا خون چوس چوس کر حکومت کے محصلوں نے انھیں نیم مُردہ کر دیا تھا۔ احتجاجی پوسٹر سڑکوں اور بازاروں

میں تقسیم کئے جاتے تھے۔ محل میں بادشاہ کی میز پر اُس کے ظلم وستم کی داستانیں لکھکر رکھی جاتی تھیں۔

ملک کے تمام بڑے بڑے عہدوں کا نیلام کیا جاتا تھا۔ جو شخص سب سے زیادہ بولی بولتا اُن کے نام نیلام ختم کر دیا جاتا۔ پھر وہ جس طرح چاہے پبلک سے روپیہ وصول کر سکتا تھا۔ عہدے دار اپنے عہدوں پر زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہتے تھے۔ اگر وہ دیانت داری سے کام کرتے تو اُن کو برخاست کر دیا جاتا، اور اگر وہ کافی مال ومتاع جمع کر لیتے تو اُن کا سب کچھ بحق سرکار ضبط کر لیا جاتا تھا۔

سارے ملک میں کیا ایک شخص بھی ان مظالم کے خلاف آواز بلند کرنے والا نہ تھا؟

غریب شہری ناامید ہو چکے تھے۔ ان کا رونا یہ تھا کہ ایک بُرے افسر کے بعد دوسرا افسر بدتر ثابت ہوتا ہے اور تیسرا بدترین۔ پھر افسروں کی تبدیلی سے اُنھیں کیا اطمینان ہو سکتا تھا۔

ہر چیز کی طرح مظالم کی بھی انتہا ہوتی ہے۔ سنہ ۵۴۲ء میں لوگ حکومت سے بالکل بیزار ہو گئے اور بغاوت کرنے پر کمربستہ نظر آتے تھے ــــــ دریاؤں میں طغیانیاں آ رہی تھیں ــ آدمی مویشی سب بہے جا رہے تھے ــ کہیں قحط پڑ رہا تھا، کہیں فصلیں تباہ ہو رہی تھیں، کہیں زلزلے آ رہے تھے۔ ہر جگہ سے وحشتناک خبریں مل رہی تھیں۔ لوگ ان حادثات کو کسی بڑے واقعہ کا پیش خیمہ سمجھ رہے تھے

مذہبی پیشوا ان حادثوں کو قربِ قیامت بتاتے تھے ؂

چوبیسواں باب

سارے ملک میں پلیگ پھیل گیا۔ شہر بھی پلیگ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ شاہی محل کے فوجی گارڈ بھی پلیگ کو محل میں داخل ہونے سے نہ روک سکے۔ ایک دن تین ہزار آدمی صاف ہو گئے۔ دوسرے دن پانچ ہزار۔ تیسرے دن دس ہزار۔ گرجاؤں میں دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ لوگ گھروں میں گناہوں سے توبہ کر رہے تھے۔ مرنے والوں کی تعداد اتنی بڑھتی جاتی تھی کہ اُن کو دفن کرنا محال ہو گیا تھا۔ مکان تو مکان، گلی کوچے اور سڑکیں لاشوں سے پٹی پڑی تھیں۔

بہت سے آدمی کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگے مگر ایک زور کا طوفان آیا اور سینکڑوں کشتیاں غرق ہو گئیں۔ موت سے بچ کر انسان کہاں جا سکتا ہے؟

چھوٹے چھوٹے آدمیوں کو تباہ کر کے پلیگ شاہی محل کی طرف بڑھا۔ محل کے مضبوط اور سنگین دروازے اور بہادر سپاہی بھی اُسے اندر داخل ہونے سے نہ روک سکے۔ شاہی گارڈ پلیگ کا پہلے ہی شکار ہو چکے تھے۔ اب نوکروں کی باری تھی۔ دو ہزار نوکروں میں سے بیس نوکر باقی بچے۔ پھر شاہی خاندان کی نوبت آئی۔ بادشاہ کے تمام اقربا ایک ہی دن میں ختم ہو گئے۔ پلیگ اور آگے بڑھا، اور اُس نے بادشاہ سے

اُس کے تخت پر جاکر مت فاتحہ کیا ؛

جسٹینین پلیگ میں مبتلا ہوگیا۔ اس کے مرنے میں چند گھنٹے باقی تھے۔ مگر محل میں خاک اُڑنے لگی۔ وہ محل جہاں دن عید اور رات شب برات رہتی تھی اب قبرستان کی طرح بھیانک تھا۔ عین محل کی چار دیواری کے اندر سات ہزار لاشیں بے گور و کفن پڑی ہوئی تھیں اور مردہ خوار چیلیں اور کوّے ان شاہی محلوں کے مکینوں سے اپنا پیٹ بھر رہے تھے۔ اِدھر یہ حالت تھی اُدھر لوگ بادشاہ کا قائم مقام بنانے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ ہیلن نے تیرہ دن تک بغیر کھائے اور بغیر سوئے جسٹینین کی تیمار داری کی؛ اُس کی شکل خود ایک مُردے کی سی ہوگئی تھی۔ مگر وہ ہمت نہ ہاری۔ جو لوگ محل میں باقی بچ گئے تھے وہ اُسے ابھی سے بیوہ سمجھ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جسٹینین نہیں بچیگا۔ فوجی افسر بادشاہ کے آخری سانس گن رہے تھے۔ کیونکہ پھر تخت اُن کے ہاتھ میں ہوگا۔

ہیلن، جسٹینین کے لئے بے قرار تھی۔ وہ ڈاکٹروں اور پیشین گوؤں سے التجا کر رہی تھی کہ کسی طرح جسٹینین کی زندگی بچالی جائے۔ جسٹینین کے لئے دعائیں مانگی جارہی تھیں۔ خیرات ہو رہی تھی اور منتیں مانی جارہی تھیں ؛

اتنے میں پلیگ نے ہیلن کو بھی آن دبایا۔ مگر اُس نے اپنے فرائض کو اسی حالت میں پورا کیا۔ وہ اب بھی جسٹینین کے پاس بیٹھی اُس کی زندگی کی دعائیں مانگ رہی تھی اور اُسی حالت میں بیمار شوہر کی تیمار داری اور ملک کا انتظام کر رہی تھی۔ سلطنت کا اس کے علاوہ اور کون پرسانِ حال تھا؟

اُس کی ہمت کے آگے پلیگ نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ وہ اچھی ہو گئی۔ مگر پلیگ بادشاہ کو کسی حالت میں بھی چھوڑنا نہ چاہتا تھا۔ ڈاکٹروں کی دوائیاں۔ مذہبی لوگوں کی دعائیں۔ سب بیکار ثابت ہو رہی تھیں۔ جسٹینین اب چند لمحوں کا مہمان معلوم ہوتا تھا۔ اُس کی نبض ہلکی چل رہی تھی۔ اُس کے مُنہ سے اتنا خون نکل چکا تھا کہ اب اُس میں آنکھ کھولنے کا بھی سکت نہ تھا۔ ہیلن نے ڈاکٹروں کو محل سے نکال دیا۔ اُس نے خود بادشاہ کے زخموں کو کھولا، اور کمر سے پیپ قبض نکال کر اپنے بائیں بازو میں ایک گہرا زخم لگایا، اُس بہتے ہوئے خون سے اُس نے جسٹینین کے زخم صاف کیئے۔ تین دن تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ چوتھے دن بادشاہ نے آنکھ کھولی۔ اب اس کے زخم اچھے ہو رہے تھے۔ ہیلن نے پلیگ کو بھی شکست دے دی۔

پچیسواں باب

ہیلن اپنے عزیزوں کی طرف سے بھی غافل نہ تھی۔ اس کے اقارب تمام اُس کے گرد جمع ہو گئے تھے جن کو اُس نے بڑے بڑے عہدوں پر مامور کر دیا تھا۔ اُنکا چچا کونسل کا صدر تھا۔

ہیلن کی بڑی بہن کامتا کی شادی کسی صوبے کے گورنر سے ہو چکی تھی۔ کامتا کی ایک لڑکی پندرہ برس کی تھی جو ہیلن کے پاس رہتی تھی۔ ہیلن اُس کی شادی جسٹینین کے بھانجے جسٹن ثانی سے کرنی چاہتی تھی تاکہ تاج و تخت اُس کے خاندان میں باقی رہے اُسے بڑا رنج تھا کہ اُس کی ماں مر چکی تھی۔ اگر وہ زندہ ہوتی تو اپنی بیٹی کی اس شان و شوکت کو دیکھکر کتنی خوش ہوتی۔

ہیلن نے اپنی سہیلیوں کو بھی فراموش نہیں کیا تھا۔ کرسلو اور ادارو اُس کی دو سہیلیاں تھیں جو اُس کی ہم پیشہ رہ چکی تھیں۔ ہیلن نے اُن کو بھی مال و دولت سے مالا مال کر دیا تھا۔ وہ اب بھی حسین تھی اور ہیلن کی مصاحب بنی ہوئی تھیں۔

کرسلو اکثر اوقات اُداس رہتی تھی۔ ہیلن نے ایک دن اُس سے اُداسی کی وجہ دریافت کی تو اُس نے بتایا کہ اُس کا داماد اُس کے لئے سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔

اصل میں بات یہ تھی کہ ہیلن نے زبردستی اُس کی شادی کرسلو کی لڑکی سے کرادی تھی درآں حالیکہ وہ ایک اور لڑکی سے محبت کرتا تھا۔ ہیلن نے اُسے قید خانہ میں ڈال دیا اور جب تک اُس نے کرسلو کی لڑکی سے شادی کرنے کا عہد نہیں کر لیا اُسے آزاد نہیں کیا۔ شادی کے بعد وہ ہمیشہ انتقام کی خاطر سے یہ کہا کرتا تھا کہ کرسلو کی بیٹی شادی ہونے سے پہلے ہی خراب ہو چکی تھی۔ اس وجہ سے کرسلو کی لڑکی ہمیشہ رنجیدہ رہتی تھی اور بیٹی کی وجہ سے ماں بھی جلتی رہتی تھی۔

ہیلن، کرسلو کو تسلی دیتے ہوئے کہتی:-

"تم رنج مت کرو۔ میں اُس نالائق کو شکنجہ میں کسوا دوں گی تاکہ اُسے عبرت ہو اور وہ آئندہ شریف لڑکیوں پر ایسے بہتان نہ رکھے۔ اگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو میں اُس کی زبان کٹوا دوں گی تاکہ آئندہ بکواس کرنے سے باز رہے"۔

کرسلو جواب میں کہتی:-

"آہ ملکہ تم کتنی نیک دل ہو۔ تم کس قدر نیک دل ہو۔ تم کتنا میرا خیال کرتی ہو میں تمہاری مہربانیاں کبھی نہ بھولوں گی"۔

پلیگ کے بعد ہیلن اضلاع میں چلی گئی تاکہ تبدیل آب و ہوا سے شاید اُس کی صحت بہتر ہو جائے۔ اُس کا دل ابھی متبرک محل میں واپس جانے کو نہ چاہتا تھا۔ ابھی صرف تین ہفتے اُسے وہاں آئے ہوئے گزرے تھے۔ مگر سلطنت کے اہم کام رُکے پڑے تھے۔ ایران اور مصر کے سفیر بزنطین کے دار السلطنت میں اُس کے منتظر تھے۔ اُسے

اُن سے ضروری معاملات طے کرنے تھے۔ پھر شام کے نمائندوں سے گفتگو کرکے ایک تجارتی سمجھوتہ کرنا باقی تھا۔ اِن باتوں کے علاوہ اُسے نئے دشمنوں اور نئی سازشوں کو محل میں پہنچکر بے نقاب کرنا تھا ۔

چھبیسواں باب

بزنطین کا سپہ سالار بلیسیر ایک بہت بہادر سپاہی تھا. بار بار اُس نے سلطنت کو مہلک خطروں سے بچایا تھا۔ وہ تمام فوج میں اس لئے ہر دل عزیز تھا کہ جہاں گھمسان کی جنگ ہوتی وہ گھوڑا دوڑاتا وہاں پہنچ جاتا اور اُس کی تلوار نیام سے باہر نکل کر اُس کے سپاہیوں کے ساتھ لڑنے میں مصروف ہو جاتی تھی۔ وہ اُن کے ساتھ تمام خطروں اور مصیبتوں کا مقابلہ کرتا۔ وہی کھانا کھاتا اور انھیں کے ساتھ کیمپ میں رات بسر کیا کرتا تھا۔ جب کبھی رات کو حملے کا حکم دیتا تو وہ اپنی وردی اور ہتھیار اُتار کر کبھی آرام کرنے کے لئے کیمپ میں جا کر نہیں بیٹھتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ خوش مذاق اور خوش خلق بھی تھا۔ جب حملہ شروع ہوتا تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے سپاہیوں میں سب سے آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کرتا تھا۔ وہ پیدائشی سردار تھا؛

بادشاہ اُس کا احترام کرتا تھا؛

چونکہ مطلق العنان بادشاہ کبھی احسانمند نہیں ہوا کرتے اس لئے ممکن تھا کہ اُس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور روز افزوں کامیابیوں سے ڈر کر بادشاہ اُسے قید خانہ میں ڈلوا دیتا۔ لیکن اُسے کبھی اتنی [illegible]ت نہ ہوئی۔ ضرورت اور خوف ایسے احسانات

ہیں جو حسد اور نفرت کو بھی وقتی طور پر پس پشت ڈال دیتے ہیں ؂

ہر شخص بیلیسیر کو اپنے زمانے کا سب سے قابل جرنیل سمجھتا تھا۔ اُس کے متعدد کامیاب حملوں نے اُسے عوام کی نظروں میں ناقابلِ شکست بنا دیا تھا، اور اُس کے سپاہی فخر کے ساتھ کہتے تھے کہ اُن کا جرنیل اگر دوزخ میں جا کر شیطان کے خلاف بھی جنگ کرنے کا عزم کرے تو اُسے مار کر بھگا سکتا ہے ؂

وہ ضابطہ قاعدہ کا بہت پابند تھا۔ جتنی پابندی دوسروں پر عائد کرتا اُس سے زیادہ خود کیا کرتا تھا۔ وہ کبھی انتقام نہ لیتا تھا اور جب کسی کو سزا دیتا تو انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ اُس کی فوج کا ہر سپاہی اُس پر قربان ہونے کو تیار رہتا۔ بیلیسیر بھی اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اپنے معمولی سپاہی کی جان بچانے میں دریغ نہ کرتا تھا ؂

اُسے خطروں میں کودنے سے مسرت ہوتی تھی، اور دوسروں کے دلوں میں بھی جوش پیدا کر دیا کرتا تھا۔ اُس کی اِس خصوصیت نے اُسے فوج میں بہت مقبول بنا دیا تھا ؂

اِس کے ساتھ ہی وہ دریا دل بھی تھا۔ اپنے دوستوں کو ہمیشہ قیمتی تحائف دیتا رہتا تھا۔ دشمن سے جو مالِ غنیمت ہاتھ آتا اُسے وہ اپنی فوج کے سپاہیوں میں مساوی تقسیم کر دیتا اور کبھی اپنے لئے زیادہ حصّہ کا خواستگار نہ ہوتا تھا ؂

بیلیسر نے بزنطینی سلطنت کو اٹلی۔ شمالی افریقہ اور موجودہ جرمنی تک پھیلا دیا تھا، وہ ذاتی طور پر بہادر تھا اور دشمن کی کمزوری سے فائدہ اُٹھانا جانتا تھا۔

جب اُس نے اٹلی پر حملہ کیا تو جرمنی کے لوگ اُس کی بہادری سے اتنے متاثر ہو گئے تھے کہ وہ اپنی خوشی سے اُسے اٹلی کے تخت پر بادشاہ بنا کر بٹھانے کو تیار تھے۔ مگر بیلیسیر نے انکار کر دیا۔ وہ بہادر بھی تھا اور وفادار بھی۔ یہی وجہ تھی کہ آج تک بزنطین میں کسی شخص کو اُس پر کسی قسم کا الزام لگانے کی جرأت نہ ہوئی۔

بادشاہ نے جب بیلیسیر سے قسم لی تو سپہ سالار کو بہت تعجب ہوا۔ کیا قسم انسان کو وفادار بنا سکتی ہے؟ بادشاہ کے پاس جتنے آدمی جاتے تھے اُن میں سے تنہا وہی ایک شخص تھا جس نے کبھی کسی مہربانی یا رعایت کی درخواست نہیں کی تھی۔ اُس کی بےغرضی، استواری اور استقلال کی وجہ سے لوگ اُس سے حسد کرتے تھے۔

بیلیسیر کبھی سیاست میں حصّہ نہ لیتا تھا۔ جب وہ بزنطین کے دارالسلطنت میں آتا تو اتنا خوش نہ ہوتا تھا جتنا میدانِ جنگ میں ہوتا تھا۔ شاہی محل کی فضا اُسے مکدّر کر دیتی تھی۔ جب کہیں بغاوت پھوٹ پڑتی تو وہ اطمینان کا سانس لیتا تھا۔ وہ عقلمند آدمی تھا۔ دربار کی مکّاری سے واقف ہونے کی وجہ سے اُس نے اپنی ذاتی سات ہزار جاں باز سپاہیوں کی ایک فوج بنا لی تھی، جو ہمیشہ اُس پر جان نثار کرنے کو تیار رہتے تھے۔ بیلیسیر قتل سے محفوظ تھا مگر سازش کا اُس کے پاس کیا علاج تھا۔ اُس کی ایک کمزوری تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اُس کی بیوی۔

اُس کی بیوی کا نام اینٹونیا تھا، جو اس سے قبل وزیرِ اعظم کو نیچا دکھا چکی تھی۔ اینٹونیا درحقیقت ایک سپاہی کی بیٹی تھی جس نے کسی رقاصہ سے شادی کر لی تھی۔

اینٹونیا بڑی ہوئی تو ماں کا اثر غالب رہا۔ اتفاق سے بیلیسیرس سے ملاقات ہوئی، اور شادی ہوگئی ؛

شادی کے بعد کبھی اینٹونیا نے وفاداری سے کام نہیں لیا۔ اُس کی محبت کے افسانے سارے محل میں نوک زبان تھے۔ مگر بیلیسیر اُس پر اتنا فریفتہ تھا کہ اسکے متعلق کچھ بھی سننا پسند نہ کرتا تھا۔ جب اُس نے اپنی بیوی کو بادشاہ کے سامنے آداب بجالانے کے لئے پیش کیا تو بادشاہ نے اُسے شاہی محلات کا ناظم بنادیا اب اینٹونیا نے سفید درباری لباس زیب تن کرلیا اور اُس کی آڑ میں نہایت آزادی کے ساتھ عیاشی میں مشغول ہوگئی ؛

اُس وقت سے ہیلن، اینٹونیا کو اپنا دشمن سمجھنے لگی۔ اُس کی مختلف وجوہ تھیں۔ ایک تو اینٹونیا کی زندگی اُس کی اپنی زندگی سے ملتی جلتی تھی۔ دوسرے بیلیسیر کی بیوی بے انتہا حریص واقع ہوئی تھی ہیلن کو یہ خطرہ تھا کہ اینٹونیا اپنے شوہر کو تخت پر بٹھانے کے لئے ہر جتن کرسکتی تھی۔ اسی طرح اینٹونیا کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ ملکہ دل میں اُس سے بیزار ہے۔ ظاہر میں یہ دونوں عورتیں ایک دوسرے سے شیر و شکر ہو کر ملتیں مگر ویسے ایک دوسرے کی باتوں پر کڑی نظر رکھتیں اور اپنی دشمن کی چھوٹی سے چھوٹی کمزوری سے فائدہ اُٹھانے میں کوشاں رہتی تھیں ؛

اینٹونیا کی بداعمالیاں حد سے گذر چکی تھیں۔ اب بیلیسیر بھی اُن کو نظر انداز

نہ کرسکتا تھا۔ جب سپہ سالار افریقہ جانے لگا تو اینٹونیا نے ایک بھٹریسی نوجوان کو جس کی عمر بیس بائیس سال تھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ تھوڑے ہی دن پہلے اینٹونیا نے اُسے عیسائی مذہب میں داخل کیا تھا۔ ہر شخص کو یہ معلوم تھا کہ اینٹونیا اُس نوجوان پر جان دیتی ہے ؛

اینٹونیا نے جب اُس نوجوان کو ساتھ لیجانا چاہا تو بلیسر نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ آخر ایک ایسے شخص کے ساتھ کچھ مروّت برتنی لازم تھی۔ جو حال ہی میں اپنا مذہب ترک کرکے دینِ مسیحی میں داخل ہوا تھا ؛

علاوہ ازیں بلیسر کے نزدیک اس میں کوئی اندیشہ بھی نہ تھا ؛

اینٹونیا اُس نوجوان کی دینی ماں تھی، اس لئے ان دونوں میں ماں بیٹے کا رشتہ قائم ہو گیا تھا، جو کسی طرح بھی تردّد کا باعث نہ تھا ؛

سمندر کا سفر خیر و عافیت سے ختم ہو گیا۔ اگرچہ اُس زمانہ میں بھی اینٹونیا نے نوجوان سے محبت کی پینگیں بڑھانی شروع کر دی تھیں۔ اور چونکہ تختۂ جہاز پر عشق و محبت کے افسانوں کو چھپانا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے محبت کی داستان نے کافی شہرت حاصل کرلی۔ ان محبت کے شیدائیوں کو جہاز کے پوشیدہ حصوں میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنے میں مسافروں اور ملاحوں کو بڑا لطف آتا تھا۔ جذبات کی تشنگی مزید جرأت اور دلیری پیدا کر دیتی ہے ؛

بلیسر کو اب بھی کچھ شبہ نہیں ہوا۔ لیکن جب وہ کارتھیج پہونچے تو بلیسر

کا مارتا ٹھنکا، اور اُس نے اپنی بیوی کی "دیکھ بھال" شروع کر دی ——— ایک دن انٹونیا نوجوان کو ہمراہ لے کر شراب کی کوٹھڑی میں چلی گئی جب سلیسر کو علم ہوا تو وہ بھی جا پہنچا سپہ سالار کو اپنی ناموس کا پاس لازم تھا۔ اُسے بہت غصہ آیا۔ انٹونیا نے اُسے ڈانٹ کر چپکا کر دیا اور یہ بہانہ تراشا کہ نوجوان کو جنگ میں جو مالِ غنیمت ہاتھ لگا تھا محض اُسے چھپانے کے لئے وہ دونوں کوٹھڑی میں چلے گئے تھے۔ اُس نے کچھ اس انداز سے گفتگو کی کہ سلیسر کو یقین آ گیا اور وہ شرمندہ ہو گیا۔

سائرکس پہنچکر ایک نیا واقعہ پیش آیا۔ انٹونیا کی ایک خادمہ نے اپنی مالکہ سے انتقام لینے کی غرض سے جرنیل کو اُس کی بیوفائی کے وہ تمام کارنامے سُنا دیئے جو اُس نے سفر کے پہلے دن سے لیکر آج تک کیے تھے۔ جب سادہ لوح شوہر نے اعتبار نہ کیا تو ملازمہ نے دو اور خادماؤں کو شہادت میں پیش کر دیا جنہوں نے قسم کھا کر بیان کیا کہ وہ اکثر اُن محبت کی ملاقاتوں میں موجود رہتی تھیں جو اسکی بیوی اور تھریسی نوجوان کے درمیان ہوا کرتی تھیں۔ اب جب کہ معاملہ طشت از بام ہو چکا تھا سلیسر خاموش نہ رہ سکتا تھا۔ اُس نے تھریسی نوجوان کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ لیکن جب سپاہی اُسے پکڑنے آئے تو اُس کا پتہ نہ تھا۔

شاید سپہ سالار خوش تھا کہ تھریسی نوجوان کے غائب ہو جانے سے معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔ مگر انٹونیا یوں ہار ماننے والی نہ تھی۔ اُسے اپنے شوہر پر اتنا قابو حاصل تھا کہ اُس نے اس کی زندگی اجیرن کر دی اور اُس پر بیجا شک و شبہ

اور ظلم و ستم کے الزامات لگا کر اُسے مجبور کر دیا کہ اُس نوجوان کو پھر واپس بلایا جائے ؛
چونکہ یہ معاملہ بغیر کسی کو سزا دیئے ختم نہ ہو سکتا تھا اس لیئے وہ ملازمہ جس نے اینٹونیا پر یہ الزام لگایا تھا قتل کرا دی گئی ۔ پہلے اس کی زبان قلم کی گئی کیونکہ سارا قصور زبان کا تھا ۔ پھر ایک عضو کو الگ کیا گیا اور ایک تھیلے میں بند کر کے لاش کو سمندر میں پھینک دیا گیا ؛

تھرلسی نوجوان اب خائف ہو گیا تھا ۔ وہ اب اینٹونیا سے دُور دُور رہنے لگا ۔ اُس ادھیڑ عمر کی عورت سے تنگ آ کر اور ہیلیبیر کے انتقام سے بچنے کیلئے تھرلسی نوجوان نے راہِ فرار اختیار کی اور اس خوف سے کہ مبادا دوبارہ گرفتار ہو کر پھر اسی مصیبت میں پھنس جائے وہ ایک خانقاہ میں پناہ گزین ہو گیا ؛

اگر تھرلسی نوجوان نے یہ سوچا تھا کہ اُس کے فرار ہو جانے سے سپہ سالار کے گھر میں امن ہو جائے گا تو اُس کا خیال قطعی غلط تھا ۔ اینٹونیا کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کا محبوب اُسے داغِ مفارقت دے گیا تو اُس نے چیخنا چلانا ، رونا ، پیٹنا اور گھر میں اتنا کہرام مچانا شروع کر دیا کہ اب ہیلیبیر کو معلوم ہوا کہ بیوی کی بیوفائی سے بڑھکر بھی دنیا میں کوئی اور تلخ چیز ہوا کرتی ہے ؛

بدنامی بہت ہو چکی تھی ۔ اینٹونیا اب کُھلم کُھلا اپنے محبوب کو واپس بلانے پر بضد تھی اگر وہ واپس نہ آیا تو خودکشی اُس کا آخری فیصلہ تھا ۔ آخر کار اینٹونیا نے سپہ سالار کا ناک میں دم کر دیا کہ اُس نے تھرلسی نوجوان کو پھر واپس آ جانے کی اجازت دے دی

وہ گھر میں امن چاہتا تھا، خواہ کسی قیمت پر دستیاب ہو۔

لیکن تھریسی نوجوان کے خانقاہ میں داخل ہو جانے سے اب معاملہ بہت پیچیدہ ہو گیا تھا۔ اُسے خانقاہ سے طلب کرنا مذہب کی سخت توہین تھی۔ صرف شاہی حکم پادریوں کے حکم کو منسوخ کر سکتا تھا!

اس لئے معزز سپہ سالار نے، جن نے آج تک بادشاہ سے کوئی صلہ طلب نہ کیا تھا اب ناچار بادشاہ سے درخواست کی کہ انیٹونیا کے محبوب کو خانقاہ سے نکلنے کی اجازت دیدی جائے۔

سارے دربار میں قہقہے لگ رہے تھے!

ہیلن اب جیت چکی تھی۔ سپہ سالار اعظم جو ہمیشہ اُسے حقارت آمیز نظروں سے دیکھا کرتا تھا آج اُس کی امداد کا محتاج تھا، اور معاملہ بھی کس قدر سنگین تھا!

بادشاہ نے درخواست منظور کر لی۔ پادری بھی تھریسی نوجوان کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ مگر وہ نوجوان خود انیٹونیا کے پاس جانے کو تیار نہ تھا۔ اُس نے کہدیا کہ جو امن اور آسائش اُسے خانقاہ میں میسر تھی وہ انیٹونیا کی آغوش میں نہیں مل سکتی۔

مگر انیٹونیا اُسے خانقاہ سے باہر نکالنے کی قسم کھا چکی تھی۔ سب لوگ سپہ سالار کی بیوی کے اس طرزِ عمل سے بیزار تھے۔ مگر ان سب سے زیادہ اُس کا اپنا بیٹا بیزار تھا، جو پہلے شوہر سے تھا۔ اس کا نام پوٹس تھا۔ وہ اپنے سوتیلے باپ کو بہت چاہتا تھا اور جو ذلت جرنیل کو انیٹونیا کے ہاتھوں اُٹھانی پڑی تھی وہ اُس پر بہت خشمگین

تھا۔ آخر تنگ آ کر اُس نے فیصلہ کر لیا کہ تھریسی نوجوان کا خاتمہ کر دیا جائے ؛

ایک دن جب گرجا میں نماز ہو رہی تھی۔ پوٹِنس چند دوستوں کے ہمراہ تلوار لئے ہوئے اندر گھس آیا۔ جب تھریسی نوجوان نے اُسے دیکھا تو اُس نے بھاگنا چاہا۔ لیکن پوٹِنس نے اُسے پکڑ لیا اور گھوڑے پر مشکیں باندھ کر ڈالا اور دُور لے جا کر اُسے ایک گھر میں قید کر دیا ؛

اینٹونیا روتی ہوئی ہیلن کے پاس گئی اور اپنے محبوب کی واپسی کی درخواست کی۔ ہیلن نے جب یہ دیکھا کہ یہ مغرور عورت اب سر کے بل گر رہی ہے تو وہ سمجھ گئی کہ اب اُسے قابو میں کر لینا کوئی مشکل بات نہیں۔ اس معاملہ میں نہ صرف اینٹونیا بلکہ بلیسیر بھی اس کے قدموں میں سر رکھنے کو مجبور ہوگا ؛

اب ہیلن نے بادشاہ کو یہ پٹی پڑھائی کہ شاہی وقار خطرہ میں ہے۔ اگر لوگ اسی طرح زبردستی پادریوں کو گرجا سے بھگاتے رہے تو آخر اس کا انجام کیا ہوگا؟ مجرم کو قرار واقعی سزا دینی چاہیئے ؛

پوٹِنس کو محل میں طلب کر کے اُس سے دریافت کیا گیا کہ اُس نے تھریسی نوجوان کو کہاں چھپا رکھا ہے۔ اُس کے کوڑے لگائے گئے اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کیا گیا۔ آخر موقع پا کر وہ نکل بھاگا، اور گرجا میں جا کر پناہ لی۔ گرجا کے قانون کے خلاف اُسے وہاں سے زبردستی پکڑ کر نکالا اور محل کے زمیں دوز قید خانوں میں بند کر دیا گیا۔ وہ پھر موقع پا کر وہاں سے بھاگا اور دوسری گرجا میں جا کر پناہ لی۔ مگر

پھر گرفتار ہو گیا۔

اب اُسے ایک تنہا کوٹھڑی میں بند کر دیا جس میں ہوا کے لئے صرف ایک روشندان بنا ہوا تھا۔ وہ تین سال تک وہاں قید رہا اور اس کے دوست اس کے لئے کوششیں کرتے رہے۔ اُس نے ایک دن خواب میں کسی بزرگ کو دیکھا، جس نے اسے بشارت دی کہ وہ عنقریب آزاد ہو جائے گا۔ پھر ایک دفعہ موقع پا کر وہ کوٹھڑی کے روشندان کی سلاخیں توڑ کر نکلا۔ باہر اس کے دوست گھوڑے لئے ہوئے موجود تھے — وہ گھوڑے پر بیٹھا اور یروشلم کی طرف بھاگا۔ انیٹونیا نے اپنے سگے بیٹے سے انتقام لے لیا۔ مگر اس کا محبوب اب بھی اُسے نہیں ملا۔ اُس کو تلاش کرنے کی جتنی کوشش کی جاتی وہ سب فضول ثابت ہوتی تھی۔ یہ کوئی نہ جانتا تھا کہ یونس نے تھریسی نوجوان کو کہاں لے جا کر چھپا دیا تھا۔ انیٹونیا مایوس ہو گئی تھی کہ ایک دن ہیلین نے اُسے اپنے خاص کمرے میں طلب کیا۔ انیٹونیا حاضر ہو گئی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔

"میں نے تم کو اس لئے بلایا ہے کہ تمھیں دنیا کا حسین ترین موتی دکھاؤں" — ہیلین نے کہا۔

انیٹونیا نے تعظیم دیتے ہوئے کہا "میں موتیوں کی خواہاں نہیں۔"

"اگر تم اس موتی کو پسند کرو گی تو میں اُسے تمھیں بخش دوں گی۔"

انیٹونیا نے ملکہ کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ دنیا کی سب سے قیمتی چیز بھی اُس کی نظر

میں بیچ ہے ؛

ہیلن نے الماری کا پردہ ہٹا دیا۔

انیٹونیا کے منھ سے خوشی کی ایک چیخ نکل گئی۔ اُس کا محبوب پردے کے پیچھے زندہ سلامت کھڑا ہوا تھا ؛

"کیا تم اس موتی کو پسند کرتی ہو؟" ہیلن نے دریافت کیا ؛

مغرور انیٹونیا، ہیلن کے قدموں پر گر پڑی۔ وہ اس احسان کے بدلے میں ہیلن کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار تھی ؛

انیٹونیا چاہتی تھی کہ تھریسی نوجوان کو شاہی محل میں کسی خدمت پر مامور کر دیا جائے۔ مگر ہیلن نے اُسے ایک معقول بات بتائی۔

ہیلن کا خیال تھا کہ اگر تھریسی نوجوان پھر عوام کے سامنے گیا تو بیلیسیر اُسے قتل کرا دے گا۔ اس لئے یہی مناسب تھا کہ اُسے ابھی محل میں پوشیدہ رکھا جائے اور انیٹونیا جب چاہے اُسے وہاں جا کر دیکھ لیا کرے۔ انیٹونیا نے یہ تجویز منظور کر لی ؛

ہیلن وہاں سے چلی گئی تاکہ عرصہ سے دبے ہوئے جذبات کو پھر کھُل کھیلنے کا موقع مل جائے ؛

یہ راز مخفی رہا بیلیسیر کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ بدقسمت نوجوان پیچش میں کافی عرصہ مبتلا رہ کر مر گیا ؛

سپہ سالار کے دل میں انیٹونیا کے لئے حقارت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اُس کی بدچالی

کو دیکھکر جلتا تھا۔ ایک دن اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اُس نے دیکھا کہ انیٹونیا کی زندہ دلی پھر عود کر آئی۔ خاص طور پر اُس نے یہ محسوس کیا کہ انیٹونیا ہر وقت ملکہ کے کمروں میں گھسی رہتی تھی۔ یہ اُس کے لئے کچھ کم اعزاز نہ تھا۔ جب دربار کے امرأ سپہ سالار کو بیوی کی صحت یابی پر مبارکباد دیتے تو وہ غریب نیچی نظریں کرکے اُن کا شکریہ ادا کرتا تھا۔

سپہ سالار ہیلن سے خوش نہ تھا، وہ ایسی عورت کو دل سے ملکہ تسلیم کرنے کو ہرگز تیار نہ تھا جس کی بیشتر عمر پیشہ دری میں گذری تھی۔ مگر وہ بادشاہ کا سچا وفادار تھا، اگر بادشاہ مرجائے تو وہ ہیلن کو ملکہ دیکھنا پسند نہ کرے گا۔

اب ہیلن نے سپہ سالار پر یہ الزام لگایا کہ اُس نے بادشاہ کو زہر دینے کی کوشش کی ہے۔ یہ الزام ناقابل یقین تھا۔ مگر بیوقوف بادشاہ کو یقین آگیا۔

انیٹونیا بڈھے شوہر سے اُکتا گئی تھی۔ جب وہ ملکہ کی دوست بن گئی تھی تو اُسے سپہ سالار کی کیا پرواہ تھی۔ اُس لئے اُس نے بھی اپنے شوہر کے خلاف سازش میں نمایاں حصہ لیا۔

ہیلن نے سپہ سالار بیلیسیر پر اس خوبی سے الزام لگایا تھا کہ بادشاہ نے فوراً اُس کی برطرفی کا فرمان جاری کردیا اور اُس کی ساری جائداد ضبط کرلی۔

رات کو یہ واقعہ ہوا صبح کو شہر بھر میں کوئی شخص اُس سے بات تک کرنی پسند نہ کرتا تھا۔ یہ وہی سپہ سالار تھا جس پر ساری رعایا جان تک دیتی تھی۔ اور جس کے گرد

ہر وقت دوستوں کا حلقہ بنا رہتا تھا۔

بیلیسر غصّہ سے بھرا ہوا شاہی محل میں پہنچا تاکہ اپنی معزولی کا سبب دریافت کرے۔ لیکن ملازموں نے اُس کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا۔ وہ ذلیل ہو کر واپس آ گیا وہ بڑے بڑے کارنامے جو اُس نے حکومت کے لئے انجام دیئے تھے۔ دم زدن میں فراموش کر دیئے گئے۔ بیلیسر اپنی بدنصیبی اور بادشاہ کی بیوفائی پر گھر میں بیٹھا آنسو بہا رہا تھا، چند ہی دنوں میں رنج کے مارے وہ آدھا رہ گیا تھا۔ اُس کا عزم اور اُس کی ہمّت دونوں شکستہ ہو گئے۔

کبھی کبھی انٹونیا ملکہ کے محل سے بڈھے شوہر کو تسلّی دینے گھر آ جاتی تھی۔

ایک دفعہ جب انٹونیا اپنے شوہر سے ملنے گھر آئی ہوئی تھی تو ایک شاہی ہرکارہ اُس کے مکان میں داخل ہوا۔ بیلیسر نے جب شاہی ہرکارہ کو آتے دیکھا تو وہ سہم گیا۔ جب ہرکارہ نے اُسے ایک خط دیا تو اُس کے حواس رفوچکر ہو گئے — وہ خط پڑھے بغیر یہ سمجھا کہ بادشاہ نے اُسے خودکشی کرنے کا حکم دیا ہے — اس کے ہاتھ تھرتھرا رہے تھے۔ اور اُس کی آنکھیں سیاہ حلقوں میں بے نُور دکھائی دے رہی تھیں۔

انٹونیا نے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ اُسے خط کا مضمون معلوم نہیں لفافہ چاک کیا اور بآوازِ بلند پڑھنے لگی:-

"تم کو علم ہے کہ تم نے میرے خلاف سازش کا جال بچھایا تھا۔ مگر میں تمہاری

بیوی کا بہت ممنون ہوں اور اُس کی خاطر سے میں تمہارا قصور معاف کرتا ہوں تم آج اُس کی وجہ سے زندہ ہو۔ آئندہ جیسا تم اُس کے ساتھ سلوک کروگے ویسا ہی میرا سلوک بھی تمہارے ساتھ ہوگا ؛

وہ بہادر سپاہی جو دشمن کی فوجوں کو چیرتا ہوا چلا جاتا تھا آج اتنا گر گیا تھا کہ مکار بیوی کے قدموں پر گر پڑا اور ہاتھ جوڑ کر اُس کا شکریہ ادا کرنے لگا۔ پھر سسکیاں بھرتے ہوئے اُس نے وعدہ کیا کہ آئندہ شوہر کی بجائے وہ ہمیشہ اُس کا زرخرید غلام بن کر رہے گا ؛

ستائیسواں باب

سال گزر رہے تھے۔ کبھی کبھی ہمسایہ سلطنتیں بزنطین پر حملہ آور ہو جاتی تھیں۔ ملک میں بغاوت ۔۔ وبا ۔ سیلاب اور زلزلوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ اسی کا نام حکومت ہے ؛

جسٹینین اپنے مذہبی مباحثوں میں مشغول تھا ۔ سلطنت کا سارا کام ہیلین کرتی تھی ؛

اُس کا حُسن زوال پر تھا۔ چہرے پر کثرت سے غازہ ملتی مگر پھر بھی جوانی کی شادابی پیدا نہ ہوتی تھی۔ اُس کے بال سفید ہونے لگے تھے، جن پر وہ خضاب لگاتی تھی۔ البتہ اُس کی آنکھوں میں ابھی تک وہی چمک موجود تھی ؛

وقتاً فوقتاً اُسے دورے پڑنے لگے تھے۔ وہ سرطان میں مبتلا تھی، جو اس قدر تیزی سے بڑھ رہا تھا کہ ہیلین کو اپنی زندگی کی آس باقی نہیں رہی۔ مگر وہ کبھی کسی کے سامنے ہائے تک نہ کرتی تھی۔ جب اُس کی تکلیف ناقابلِ برداشت ہو جاتی تو وزیروں اور بڑے عہدے داروں سے جو احکام لینے حاضر ہوتے تھے ضروری کام کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں چلی جاتی تھی۔ وہ اب بھی اپنا روزمرّہ کا کام کر رہی تھی ؛

جب کام سے فرصت ملتی تو ہیلن ہیریا کے چشموں کے قریب اپنے نئے محل میں چلی جاتی تھی۔ جہاں کشادہ باغ۔ پانی کے فوارے۔ ٹھنڈی ہوائیں اور شمشاد اور صنوبر کی خوبصورت قطاریں اُسے تھوڑی دیر کے لئے ذہنی اور جسمانی تکلیفوں سے آزاد کر دیتی تھیں؛

کئی کئی گھنٹے وہ چشموں میں بیٹھی رہتی۔ پھر لیموں اور سنتروں کے درختوں کے جھنڈ میں اپنی پرانی سہیلی اڈاروو کے ساتھ ٹہلنے لگتی تھی۔ اُسے جب اپنی جوانی کا زمانہ یاد آجاتا تو دل مسوس کر رہ جاتی تھی۔ جوانی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جوانی اب ایک خواب تھا؛

کبھی قسطنطین بھی ہیلن کے پاس آجاتا اور ان دونوں کو سلطنت کے جھگڑوں سے بچکر کچھ دن آرام و سکون کی زندگی بسر کرنے کا موقع مل جاتا تھا؛

درباری ہیریا کے چشموں پر جانا پسند نہ کرتے، کیونکہ وہاں جانہیں باسفورس کو عبور کرنا پڑتا تھا، اور اُن دنوں باسفورس میں اتنا بڑا سمندری جانور آگیا تھا جو ہر جہاز کو اُلٹ دیتا تھا۔ شمال سے وہل مچھلی کے شکاریوں کو اس جانور کو زندہ پکڑنے یا ہلاک کرنے کے لیے بلایا گیا مگر وہ کسی کے قابو میں نہ آیا؛

ہیلن وہاں ایک گرجا تعمیر کرا رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اُس کے مرنے سے پہلے گرجا تیار ہو جائے۔ مگر کام آہستہ آہستہ ہو رہا تھا، اس لئے کہ سنگِ سفید اٹلی اور مصر سے آرہا تھا؛

اتنے میں ۱۵۶۲ء آپہنچا۔ ہیلن اب بہت بیار تھی۔ اُس نے ایک دفعہ پھر پاک چشموں پر جانے کا پھر قصد کیا۔

"یہ میرا آخری پھیرا ہے" اُس نے کہا

وہ ابھی تک بڑھیا نہیں ہوئی تھی۔ مگر اُس کی آزاد زندگی نے اُس کی رُوح اور جسم دونوں کو تھکا دیا تھا۔ اب دونوں آرام کے طلبگار تھے۔

جب وہ کسی بدنصیب کو محل کے زمین دوز قید خانوں میں ڈلواتی تو کہا کرتی تھی،

"مر کر کوئی واپس نہیں آتا"

اب وہ سوتے سوتے چونک جاتی تھی۔ مردے واپس آرہے تھے۔

اپنے دل کو تسلّی دینے کے لئے وہ کہتی تھی، "میں نے جو کچھ کیا وہ سلطنت کی بھلائی کے لئے کیا تھا"

اُس کی نظروں کے سامنے جرمنوں کی ملکہ جسے اُس نے قتل کرا دیا تھا آتی اور اپنے خوفناک ہڈیوں کے ڈھانچے میں سے ایک خون ٹپکتی ہوئی تلوار دکھا کر چلی جاتی تھی۔

پھر یکے بعد دیگرے تمام مقتولوں کی شکلیں اُس کی نظر کے سامنے پھرنے لگتیں، وہ مرد اور عورتیں جو ہیلن کا شکار ہو چکی تھیں اب اُس کی موت کی منتظر تھیں۔ موت کا فرشتہ اب اُس کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ وہ ڈر کے مارے اپنے بستر سے کھڑی ہو جاتی اور چیخیں مارنے لگتی تھی۔ محل کے نوکر چاکر سب اُس کے کمرے میں جمع ہو جاتے

تھے۔ وہ دیوانہ وار خیالی تصویروں سے باتیں کرتی تھی۔ موت اُس کے سر پر سوار تھی۔ مظلوموں کی رُوحیں انتقام کے لئے اُس کا انتظار کر رہی تھیں۔ اور کشاں کشاں اُسے موت کی مہیب گھاٹیوں میں لے جا رہی تھیں ؛

آہ۔ بہار آ رہی تھی۔ غنچے چٹک رہے تھے۔ باغ مہک رہے تھے۔ نوجوان رنگ رلیاں منا رہے تھے، اور **ہیلن** مر رہی تھی!

بزنطین میں جون کے مہینے میں گرمی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ گرمی کی وجہ سے اُس کے زخم میں بہت تعفن پیدا ہو گیا تھا۔ دنیا بھر کی خوشبوئیں اُس تعفن پر غالب نہ آ سکتی تھیں **ہیلن** کو نزع میں محل کے اُس بڑے کمرے میں لٹا دیا تھا جہاں شاہی دستور کے مطابق ہر ملکہ موت سے ہم آغوش ہوتی تھی ؛

جسٹینین آخری ایام میں ملکہ کے سرہانے بیٹھا رہتا تھا۔ اُسے نیند۔ بھوک، اور آرام سب حرام ہو گیا تھا۔ وہ رنج والم کا پتلا بنا ہوا تھا۔ آج اُسے احساس ہو رہا تھا کہ ہیلن نے اُس کے لئے جو کچھ کیا تھا اُس کا وہ کبھی شکریہ ادا نہیں کر سکتا ؛

اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک وہ زندہ ہے ہمیشہ **ہیلن** کی یاد تازہ رکھے گا۔ اُس کے دشمنوں کو دشمن اور اس کے دوستوں کو دوست سمجھے گا ؛

بڑے ہال میں دعا کی آواز بلند ہوئی۔ گرجا کا بڑا پادری آ گیا۔ کافوری شمعیں جل رہی تھیں۔ عود اور عنبر کی بے شمار انگیٹھیاں روشن تھیں۔ مگر بستر سے جو بدبو آ رہی تھی وہ دماغ کو پراگندہ کئے دیتی تھی ؛

مرنے والی ہیلن نے آنکھ کھولی، وہ کچھ سُن رہی تھی۔ شاید کوئی اُس کے پاس آرہا تھا۔ شاید برآمدہ سے قدموں کی آواز بھی آرہی تھی؟ دروازہ کُھلا اور ایک آدمی اندر آیا۔ یہ وزیراعظم تھا جس کے بدن پر چیتھڑے لٹک رہے تھے۔ یہ مصر سے اپنے دشمن کو مرتے ہوئے دیکھنے آیا تھا۔

کیا سچ مچ یہ وزیراعظم تھا یا اس کا بُھوت؟ ہیلن نے آہ بھری —— ہیلن اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ جیسے کسی نے جادو کے زور سے اُسے نئی طاقت بخشدی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

پھر وہ دفعتہً بستر پر گری اور اُس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ شاہی قاعدہ یہ تھا کہ لاش کے پاس کسی کو آواز سے رونے کی اجازت نہ تھی۔ مگر جسٹینین اُس بچے کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا جس کی ماں مرجائے۔ وہ غم کی تاب نہ لاسکا۔

بادشاہ نے لمبے سُرخ چغے کے نیچے سے کوئی چمکدار چیز نکالی، اور سینے میں پیوست کرلی۔ وہ ہیلن پر گرا، اور اُس کی رُوح پرواز کرگئی۔

ختم

(دیال پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپی)



Date	No.	Date	No.